بیسویں صدی کی سب سے بڑی انقلابی جد وجہد

ہندستان میں تحریک خلافت

(ایک بھولی بسری داستان)

منظر وپس منظر

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف بہار

دائرۃ المعارف الربانیۃ

جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

نام کتاب: ہندستان میں تحریک خلافت

نام مصنف: مفتی اختر امام عادل قاسمی

صفحات: ۴۸

سن اشاعت:- ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۰۲۳ء

ناشر:- دائرۃ المعارف الربانیۃ جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار

قیمت:- ۹۵

ملنے کے پتے

☆ مرکزی مکتبہ جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

848207 موبائل نمبر: 9473136822

☆ مکتبہ الامام، سی 212، امام عادل منزل، گراؤنڈ فلور، شاہین باغ، ابوالفضل پارٹ

۲، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 موبائل نمبر: 9934082422

فہرست مندرجات

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمداللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیناسیدالمرسلین،
امابعد!

یہ کوئی مستقل کتاب نہیں ہے ،حیات ابوالمحاسن کاایک باب ہے جو تحریک خلافت کے سلسلہ میں حضرت مولاناابوالمحاسن محمد سجادؒ کی خدمات بیان کرتے ہوئے میں نے لکھاتھا، لیکن موضوع اور مباحث کی اہمیت کے پیش نظر بعض احباب کی خواہش پر اس کو مستقل طور پر الگ سے شائع کرنے کافیصلہ کیاگیا،اس لئے کہ حیات ابوالمحاسن ایک سوانحی تصنیف ہے عام قاری کاذہن جس کواس موضوع کی تلاش ہو کتاب کے اس حصہ کی طرف نہیں جاتا،اور اسے اندازہ نہیں ہوتاکہ سوانح کے ضمن میں ایسی علمی اور تاریخی بحث بھی مل سکتی ہے ،اللہ پاک اس کتابچہ کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے نفع عام کاذریعہ بنائے آمین۔

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

۶/ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ م ۲۴ / اگست ۲۰۲۳ء بروز جمعرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلافت اسلامیہ -شرعی تصوراور تاریخ

خلافت مسلمانوں کاایک مذہبی مسئلہ ہے، یہ اسلامی اجتماعیت کی کلید ہے، اسلام کا یہ سب سے روحانی اور مقدس منصب ہے، جس پر اسلام کے ملی، سیاسی اورروحانی نظام کا انحصار ہے، اسی کوامامت کبریٰ بھی کہاجاتاہے، خلیفہ روئے زمین پر اللہ اوررسول اللہ ﷺ کانائب اورامت مسلمہ کاامیر ہوتاہے[1]، وہ دنیامیں وحدت اسلامی کانقیب اوراسلامی احکام وقوانین کے اجراء کاذمہ دار ہوتاہے، پوری امت کی حیات ملی اورنشاط دینی کی نبض اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اس کی ذات سے ساری امت مسلمہ کی موت وحیات وابستہ ہوتی ہے[2]۔۔۔اسی لئے تمام مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی قیام خلافت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، یہ مسلمانوں کا سب سے بڑاقومی فریضہ ہے، اگر مسلمانوں کی غفلت سے دنیاکے کسی حصہ میں خلافت کانظام موجود نہ ہوتوتمام امت گناہ گارہوگی، اوراگر چندلوگوں کی کوششوں سے نظام خلافت قائم ہوجائے توساری امت کی طرف سے فرض کفایہ اداہوجائے گا، یہ امت اسلامیہ کااجماعی نظریہ ہے جس میں کسی قابل ذکر

۔۔۔۔حواشی۔۔۔

[1] -جمہور فقہاء امیر المومنین کورسول اللہ ﷺ ہی کا خلیفہ وجانشین تصور کرتے ہیں، اور خلیفۃ اللہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک خلیفۃ اللہ کہنے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کہ خود قرآن کریم میں انسان کو اللہ کا خلیفہ کہا گیاہے:

☆إني جاعل في الأرض خليفة } سورة البقرة 30)

☆ هو الذي جعلكم خلائف في الأرض } (سورة فاطر 39)

(مغني المحتاج 132/4،ومقدمةابن خلدون ص19،وأسنى المطالب111/4)

[2] -والإمامة الكبرى في الاصطلاح : رئاسة عامة في الدين والدنيا خلافة عن النبي صلى الله عليه وسلم وسميت كبرى تمييزا لها عن الإمامة الصغرى(حاشية ابن عابدين 1 / 368 ، ونهاية المحتاج 7 / 409 ، وروض الطالبين على تحفة المحتاج 7 / 540)

هي حمل الكافة على مقتضى النظر الشرعي ، في مصالحهم الأخروية ، والدنيوية الراجعة إليها------ فهي في الحقيقة خلافة عن صاحب الشرع في حراسة الدين والدنيا(مقدمة ابن خلدون ص 191)

عالم وفقیہ کا اختلاف نہیں ہے[3]۔

متعدد روایات حدیث میں نظام خلافت کو امت محمدیہ کے لئے نظام نبوت کا متبادل قرار دیا گیا ہے مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وإنه لا نبي بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون) . قالوا فما تأمرنا ؟ قال (فوا ببيعة الأول فالأول أعطوهم حقهم فإن الله سائلهم عما استرعاهم[4]۔

ترجمہ: بنی اسرائیل کی دینی وملی قیادت انبیاء کرام کرتے تھے، ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرے نبی تشریف لے آتے تھے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، البتہ میرے بعد بکثرت خلفاء ہونگے، صحابہ نے عرض کیا: کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: بالترتیب ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، اوران کا حق ادا کرو، اس لئے کہ وہ اللہ پاک کے یہاں اپنی رعیت کے خیر وشر کے بارے میں جواب دہ ہونگے۔

اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام نے اس کو نبی اکرم ﷺ کی تجہیز و تکفین پر مقدم رکھا، وفات نبوی کے بعد صحابہ نے پہلا کام سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے انتخاب کا کیا اور پھر اس کی نگرانی میں حضور اکرم ﷺ کی تجہیز و تکفین کا عمل انجام دیا گیا، رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد امت کا پہلا اجماع خلافت کے مسئلہ پر ہوا، اس منصب کے مستحق فرد کے انتخاب میں گو اختلاف ہوا، لیکن نصب امام کے مسئلہ پر صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا، تمام ہی شرکاء نے اس کی ضرورت تسلیم کی[5]۔

____حواشی____

[3] -حاشية الطحطاوي على الدر 1 / 238 ، وجواهر الإكليل 1 / 251 ، ومغني المحتاج 4 / 229 ، والأحكام السلطانية للماوردي ص 3-

[4] - **الجامع الصحيح المختصرج ٣ ص ١٢٧٣ حديث نمبر:٣٢٦٨المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر:دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا-**

[5] -الفصل في الملل 4 / 87 ، ومقدمة ابن خلدون ص 11-

فقہاء اور اصولیین نے خلیفہ کی شرائط وصفات، اور عزل ونصب کے مسائل پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں[6]۔

خلافت اسلامیہ کا تاریخی تسلسل

اسلامی تعلیمات کے مطابق امت میں خلافت کا تسلسل ہر دور میں قائم رہا، اور تاریخ کے ایک مختصر عرصہ کا استثنا کر کے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کے کسی حصہ میں خلافت کا نظام قائم نہ رہا ہو، فتنۂ تاتار کے زمانہ میں جب ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا تو درمیان میں چند سال اسلامی تاریخ میں ایسے گذرے جن میں کوئی خلیفہ موجود نہیں تھا، اس سے بے چین ہو کر علامہ ابن تیمیہؒ اپنے گوشۂ علم اور کنج عبادت سے شمشیر بکف میدان میں نکل آئے، اور علامہ ابن کثیرؒ نے سالہا سال تک اپنی شہرۂ آفاق تاریخ میں اس محرومی کا ماتم کیا[7]۔

وقفۂ تعطل

اس کی تھوڑی تفصیل مفکر اسلام حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحبؒ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

"آج سے تقریباً پونے سات سو (۷۰۰) سال (اب پونے آٹھ سو سال–اس لئے کہ یہ تحریر آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ۱۳۴۳ھ میں لکھی گئی تھی) پہلے ایسا زمانہ گذرا ہے جس میں تقریباً ساڑھے تین سال تک تمام دنیائے اسلام کے اندر خلافت اسلامیہ کا نام ونشان بھی باقی نہ تھا، کیونکہ ۴۲۲ھ میں اندلس سے خلافت بنوامیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس کے بعد دو جگہ خلافت اسماً ورسماً تھی، ایک مصر میں خلافت

-----حواشی---

[6] -دیکھئے: تحفة المحتاج 7 / 540 - 541 ، و8 / 308 - 309 ☆وأسنى المطالب 4 / 108 ☆ حاشية الطحطاوي على الدر 1 / 238 ،☆ وحاشية الدسوقي 4 / 298 ☆وجواهر الإكليل 2 / 221☆مغني المحتاج 4 / 130☆شرح الروض 4 / 108 ، 109☆حاشية ابن عابدين 1 / 38 ، و4 / 305 ☆الأحكام السلطانية للماوردي ص 6☆مقدمة ابن خلدون ص 151 ط بيروت ☆ الإنصاف 10 / 110- *حقیر راقم الحروف کا بھی ایک مفصل مقالہ "اسلامی نظریۂ حکومت اور طریقۂ انتخابات" اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔

[7] - تحریک خلافت ص ۲۱ مرتبہ قاضی محمد عدیل عباسی، شائع کردہ: ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، ۱۹۷۸ء۔

فاطمیہ اوردوسرے بغداد میں خلافت عباسیہ ، لیکن ۵۶۷ھ میں جب مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین نے مصر سے فرنگیوں کومار بھگایا، تونورالدین الشہید کے حکم سے عاضد باللہ ابو محمد عبداللہ آخری خلیفہ فاطمی کانام بہ حیثیت خلیفہ نکال دیا گیا، اور مصر و قاہرہ کے خطبات میں بھی خلیفہ عباسی المستضی باللہ کانام پڑھاجانے لگا، چنانچہ اسی صدمہ سے دسویں محرم ۵۶۷ھ کوعاضد باللہ نے الماس کاٹکڑا کھاکر خودکشی کرلی، اور اسی دن سے خلافت فاطمیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا،اس کے بعد دنیامیں صرف ایک بغداد کی خلافت عباسیہ کانام ونشان باقی رہا، مگراس کے بعد فتنۂ تاتار برپا ہوگیا، اور آخر محرم ۶۵۶ھ ہلاکوخان نے مدینۃ الاسلام بغداد کو تاراج کیا،اور قتل وغارت کرکے ۳۰/ محرم ۶۵۶ھ کوعباسی خلیفہ المستعصم باللہ کو قتل کرڈالا، جس کے بعد بغداد کی خلافت عباسیہ کاآخری ٹمٹماتاہواچراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا،اس وقت سے ۶۵۹ھ تک دنیائے اسلام کے کسی حصہ میں بھی خلافت کاوجودنہیں رہا، آخرجب مصر پرسلطان نورالدین الملقب بالظاہر قابض ہوگیا،تواس نے سلطان العلماء شیخ الاسلام علامہ عزالدین ابن عبدالسلام کے مشورہ کے بعد احمد ابن الخلیفۃ الظاہر باللہ کو خلیفہ بنایااوران کے ہاتھ پر۹/رجب المرجب ۶۵۹ھ بیعت خلافت ہوئی،اوراس دن تمام دنیائے اسلام کو ایام جاہلیت اورفوضیت سے ایک طرح کی نجات ملی،اس سے ظاہر ہے کہ تقریباًساڑھے تین سال تک یعنی ۳۹/ محرم ۶۵۶ھ سے لے کر۱۸/رجب ۶۵۹ھ تک اسلامی دنیابلاخلافت رہی[8]۔

افسوس ۲۵/رجب المرجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۳/مارچ ۱۹۲۴ء کوخلافت عثمانیہ کی تنسیخ سے لے کر آج تک تقریباًچورانوے(۹۴)سال سے دنیائے اسلام بغیرکسی خلیفہ کے جی رہی ہے،اوردوردورتک اس

----حواشی--

[8] -خطبۂ صدارت مرادآباد ص۲۱تا۲۳☆البدایۃلابن کثیرج ۱۲ص ۲۰۸،وج ۱۳ص ۲۱۵۔

کے احیاء کے آثار تک نظر نہیں آتے، اناللہ وانا الیہ راجعون[9]۔

ہندوستان نے ہر دور میں مرکز خلافت کی قیادت تسلیم کی

جہاں تک ہندوستان کا معاملہ ہے تو گو کہ یہاں نظام خلافت کبھی قائم نہیں ہوا، لیکن یہاں کے اکثر حکمراں اپنے اپنے دور میں خلافت اسلامی کے مطیع وفرمانبردار رہے، مرکز خلافت سے وہ اپنی سلطنتوں کی منظوری کے پروانے حاصل کرتے تھے، جمعہ کے خطبوں میں یہاں کے سلاطین عظام کے بجائے خلفاء اسلام کے نام لئے جاتے تھے، اوراس ملک کے بڑے بڑے سلاطین اس کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ہندوستان عہد خلافت راشدہ سے عہد خلافت عثمانیہ تک

اسلام کی دعوت تو یہاں بعض روایات (مثلاً تحفۃ المجاہدین کی روایت) کے مطابق عہد نبوت ہی میں پہونچ گئی تھی، لیکن سندھ میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد باقاعدہ ہندوستان کا رابطہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت راشدہ سے استوار ہوا، جو نہایت مضبوطی کے ساتھ بعد کے خلفاء کے ساتھ بھی قائم رہا[10]، یہاں تک کہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد اسلامی اقتدار ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

دربار خلافت سے ہندوستان کے مضبوط تعلقات کے موضوع پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ایک مستقل کتاب "خلافت اور ہندوستان" کے نام سے ہے، جس میں انہوں نے خلافت راشدہ (عہد حضرت عثمان غنیؓ) سے خلافت بنی امیہ، خلافت بنی عباس، اور خلافت عثمانیہ تک عہد بہ عہد روشنی ڈالی ہے، اسلامی ہند کے ابتدائی عہد حکمرانی سے لے کر سلطان ٹیپو تک ہر دور کے بڑے بڑے حکمرانوں نے مرکز خلافت سے اپنی وابستگی قائم رکھی، اور خلیفۃ الاسلام کی اطاعت کو طرۂ افتخار تصور کیا، عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس میں

-----حواشی-----

9 -ترکی کے آخری عثمانی خلیفہ "سلطان عبدالمجید آفندی" تھے، جن کو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ۱۹/نومبر ۱۹۲۲ء (۲۹/ربیع الاول ۱۳۴۱ھ) کو محض ایک روحانی منصب کے طور پر برائے نام خلیفہ بنایا گیا، پھر ۳/مارچ ۱۹۲۴ء (۲۶/رجب ۱۳۴۲ھ) کو نئی قانون سازی کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے خلافت پر خط تنسیخ کھینچ دی گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون (ترک ناداں سے ترک دانا تک ص ۲۹۶،۲۹۵ مرتبہ مفتی ابولبابہ شاہ منصور، ناشر: السعید پبلیکیشن کراچی)

10 -خلافت اور ہندوستان ص ۲ مرتبہ علامہ سید سلیمان ندویؒ مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۴۰ھ۔

مرکز خلافت سے جو نائبین ہندوستانی حکومتوں کے پاس آئے ان کی فہرست بھی علامہؒ نے نقل کی ہے،اس میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ،اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے لے کر خلافت امویہ میں ہشام بن عبد الملک تک اور خلافت عباسیہ میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے نائبین کے نام شامل ہیں۔

☆عرب خلفاء کے نام پر ہندوستان میں مختلف شہر بسائے گئے،سندھ میں خلیفہ منصور کے نام پر "منصورہ" شہر آباد کیا گیا،اس زمانہ میں یہاں خلیفہ کے نائب مفلس عبدی تھے،ان کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی تشریف لائے،خلیفہ مامون کے زمانہ میں شہر "بیضاء" آباد کیا گیا،اس وقت خلیفہ کے نائب ہندوستان میں موسیٰ بن یحیٰ تھے[11]۔

☆بعد کے ادوار میں جب خلافت عباسیہ کمزور ہوئی،تو ہندوستان میں کئی خود مختار سلطنتیں بن گئیں، لیکن اس کے باجود خلفاء سے تعلق ختم نہیں ہوا، مسلکی لحاظ سے اختلاف ضرور پیدا ہوا لیکن ہر ایک کا رشتہ اپنے اپنے مسلک کے لحاظ سے کسی نہ کسی خلیفہ سے قائم رہا، خلافت عباسیہ بدستور اہل سنت کا مرکز تھی، لیکن باطنی شیعہ مصر کے فاطمی سلاطین کو اپنا خلفاء تصور کرتے تھے،بشاری مقدسی چوتھی صدی میں ہندوستان آئے تھے،ان کا بیان ہے کہ پایۂ تخت منصورہ میں خلیفۂ عباسی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا،جب کہ ملتان کے لوگ خلیفۂ فاطمی کا خطبہ پڑھتے تھے،اوراسی کے احکام کی تعمیل کرتے تھے[12]۔

عہد غزنوی

☆جو مسلم حکمراں افغانستان کی راہ سے ہندوستان آئے،ان میں سب سے مضبوط اور نامور حکمراں سلطان محمود غزنوی تھا،سیاسی اور فوجی لحاظ سے پورے وسط ایشیا میں اس سے بڑی کوئی طاقت نہیں تھی،بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ یہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا طاقتور مسلمان حکمران تھا،اس زمانہ میں خلافت

----حواشی--

[11] -خلافت اور ہندوستان ص ۲ تا ۵۔

[12] - وأما المنصورةفعليها سلطان من قريش يخطبون للعباسي وقد خطبوا على عضد الدولة ورايت رسولهم قد وافى إلى ابنه ونحن يشيراز. وأما بالملتان فيخطبون للفاطمي ولا يحلون ولا يعقدون إلا بأمره (أحسن التقاسيم في معرفة الأقاليم ج ١ ص ١٧٥ المؤلف : شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر البناء المقدسي المعروف بالبشاري (المتوفى : نحو 380هـ)-

عباسیہ بزرگوں کی مقدس ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی، لیکن اس کے باوجود محمود غزنوی عباسی خلیفہ قادرباللہ کی اطاعت کو اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا، ہر نئی کامیابی کا اطلاع نامہ دیوان خلافت میں معمول کے مطابق بھیجا جاتا تھا، کسی نئے ملک پر قبضہ وتصرف کے لئے دربار خلافت سے اجازت حاصل کی جاتی تھی، ایوان خلافت سے اس کو "یمین الدولۃ" اور "کہف الدولۃ والاسلام" کے خطابات ملے تھے، اس پر اس کو بہت فخر تھا، سلطان نے گو ایران وترکستان کے تمام ممالک اپنے زور بازو سے حاصل کئے تھے، لیکن وہ اس وقت تک ان ممالک کا جائز بادشاہ نہ ہو سکا جب تک ۴۱۵ھ (۱۰۲۴ء) میں خلیفہ نے اس کے لئے فرمان جاری نہ کر دیا، خود سلطان کا لقب جو محمود غزنوی سے پہلے کسی دوسرے بادشاہ نے اختیار نہیں کیا تھا، یہ بھی خلیفہ کی جانب سے اس کو عطا ہوا تھا[13]۔

غوریوں کا عہد

غزنوی سلاطین کے بعد غوریوں کا دور آیا تو ان کے اکثر سلاطین نے بھی دربار خلافت سے خطابات حاصل کئے، غوری خاندان میں سلطان شہاب الدین غوری بڑے جاہ وجبروت کا بادشاہ تھا، وہ اپنے آپ کو ناصر امیر المؤمنین لکھ کر فخر محسوس کرتا تھا[14]، اسی دور میں دہلی کا قطب مینار اور مسجد قطبی کی تعمیر ہوئی ان پر سلطان کے نام کے کتبے انہی القاب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کے خود مختار سلاطین میں سلطان شمس الدین التمش کا نام سب سے پہلے آتا ہے، جس نے باقاعدہ ہندوستان کی مملکت کو ایک مستقل سلطنت کے قالب میں ڈھال دیا، وہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں تخت نشیں ہوا تھا، اور ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں خلیفہ نے اس کو خلعت بھیجا، اس کے یہ معنٰی تھے کہ ایوان خلافت نے ہندوستان کے استقلال اور خود مختاری کو تسلیم کر لیا، یہ زمانہ خلیفہ "الناصرلدین اللہ" کا تھا، شمس الدین التمش کے سکوں پر بھی اس کے نام کے ساتھ "ناصر امیر المؤمنین" کندہ ہوتا تھا، سلطانہ رضیہ، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان علاء الدین محمد کے سکوں پر ان کے ناموں کے پہلو بہ پہلو یا تنہا خلیفہ مستنصر باللہ

----حواشی----

13 - خلافت اور ہندوستان ص ۷ تا ۱۰۔

14 - خلافت اور ہندوستان ص ۱۳ بحوالہ طبقات ناصری ص ۱۲۶، ۱۱۴۔

کانام کندہ کیا جاتا تھا۔

عہد تغلق

عہد تغلق میں محمد شاہ تغلق بھی واضح طور پر اس نظریہ کا علمبردار تھا کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر حکومت درست نہیں، چنانچہ تاتاریوں نے جب بغداد میں خلافت عباسیہ کا پیرہن تار تار کر دیا، اور سالہا سال کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ بغداد کی خلافت ختم ہو چکی ہے اور اب خلیفۂ عباسی مصر میں متمکن ہے تو اس نے اپنے تمام اعیان سلطنت کے ساتھ مصری خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ایک وفد عرضداشت کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا[15]۔

عہد خلجی

۸۳۹ھ (۱۴۳۶ء) میں سلطان محمود خلجی نے مالوہ میں اپنی مستقل سلطنت قائم کی اور اجین کے قریب منڈو کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور چونتیس (۳۴) سال نہایت عدل وانصاف اور شہرت ونیک نامی کے ساتھ حکومت کر کے ۸۷۳ھ (۱۴۶۸ء) میں وفات پائی، اس نے ۸۷۰ھ (۱۴۶۶ھ) میں عباسی خلیفہ مستنجد باللہ (مصر) سے خلعت شاہانہ اور فرمان سلطنت سلطان حاصل کئے، پھر خطبہ میں خلیفہ کا نام پڑھا گیا[16]

ہندوستان کے عہد اسلامی کے سکے اور کتبات

انگلستان کے مشہور مستشرق اڈورڈ تھامس (Edward Thamas) نے ۱۸۷۱ء میں سلاطین ہند کی تاریخ ان کے عہد کے سکوں کے نقوش وکتبات سے مرتب کی ہے، سلاطین اور بادشاہوں کے سکے فراہم کئے، ان کے کتبے پڑھے، ان کتبوں کو پڑھ کر بے انتہا حیرت ہوئی، کہ جو باتیں تاریخ کے کرم خوردہ اوراق میں بہت کم پائی جاتی ہیں، سونے چاندی کے پتروں میں کس بہتات کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے ہر سکہ پر اور ہر کتبہ پر ہندوستان کے سلطان وقت کے نام کے ساتھ برابر خلیفۂ زمان کا نام بھی ثبت ہے، اس

----حواشی---

15 ۔خلافت اور ہندوستان ص ۱۶،۱۵ بحوالہ تاریخ فیروز شاہی ص ۴۹۲ مصنفہ ضیاء برنی۔

16 ۔خلافت اور ہندوستان ص ۲۸۔

سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام سلاطین عملاً بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے، کہ وہ بجائے خود مستقل بادشاہ نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت اپنی مملکت میں خلیفہ کے ایک نائب اور قائم مقام کی ہے۔

☆بلکہ حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ نہ صرف سلاطین دہلی بلکہ اطراف ہند کے وہ بادشاہ بھی جو دہلی کی سلطنت سے ہٹ کر اپنی مستقل خودمختار حکومتیں قائم کرتے تھے وہ ہزاروں کوس دور پڑے ہوئے خلیفہ کی اطاعت سے باہر نہیں تھے، جیسا کہ سلاطین گجرات، مالوہ ومشرق وبنگالہ، بہمنیہ دکن اور جونپور کے سکّوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہ سکے معزالدین غوری سے لے کر بہ ترتیب ابراہیم شاہ سکندر لودی تک کے ہیں، اس کے بعد تیموریہ سلطنت شروع ہوتی ہے، اور مصر میں خلفاء عباسیہ کا بھی خاتمہ قریب قریب ہو جاتا ہے، اس کتاب میں ایک سو سات (۱۰۷) سکوں اور کتبوں کے نقش دیئے گئے ہیں[17]۔

خلافت عثمانیہ کا آغاز

مصر کی خلافت عباسیہ کے خاتمہ کے بعد ترکی میں خلافت عثمانیہ رونما ہوئی، سلطان سلیم نے ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں اپنی خلافت کا اعلان کیا، اس کے بعد تین برس وہ زندہ رہا، ۹۲۶ھ (۱۵۲۰ء) میں اس کا بیٹا سلطان سلیمان اعظم اس کا جانشین ہوا، جس نے اپنے باپ کی مذہبی بلند حوصلگیوں کے خواب کو پورا کیا، دنیائے اسلام کے دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان نے بھی اس کی خلافت اور مذہبی عظمت کو تسلیم کیا، اس کا اثر سب سے پہلے گجرات کے سلاطین پر پڑا جن کے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ سے براہ راست تعلقات تھے۔

گجرات کے ایک محدث عالم محمد بن عمر آصفی الغخانیؒ جن کی آمد ورفت مکہ معظمہ رہا کرتی تھی، اور جو سلاطین گجرات کے درباروں میں بھی معزز تھے، انہوں نے عربی میں ظفر الوالہ کے نام سے گجرات کی تاریخ لکھی ہے، اس میں انہوں نے سلطان سلیمان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

----حواشی--

[17] - خلافت اور ہندوستان ص۲۹ تا ۴۵۔

وکان فی وقتہ سلطان الاسلام علی الاطلاق وخلیفۃ اللہ فی الآفاق، و ھوسلیمان خان[18]۔

ترجمہ :اس وقت ترکی کابادشاہ اسلام کاسلطان علی الاطلاق تھا،اور تمام دنیامیں خدا کاخلیفہ تھا،اور وہ سلیمان خان تھا۔

اس سے سلاطین گجرات کے تصور خلافت کا پتہ چلتاہے۔

ہندوستان عہد خلافت عثمانی میں

دلی کے بادشاہوں نے خلافت عثمانی کی برتری تسلیم کرلی تھی،حالانکہ خاندانی طور پر آل تیموراور آل عثمان باہم حریف کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن انصاف بالائے طاعت است ومذہب بالائے سیاست،اس ناگواری کے باوجود شاہان تیمور اس قبلۂ اسلام کو ترک نہیں کرسکتے تھے،جہاں آل عثمان کے نام کاخطبہ ہر ہفتہ پڑھاجاتا تھا۔

بابر سے عالمگیر تک

سنہ ۹۳۲ھ (سنہ ۱۵۲۶ء) میں بابر نے ہندوستان کے تخت پر قدم رکھا،اوراس شہنشاہ ہند نے اپنے پہلے فرض کے طور پر ہدایاوانعامات کے ذریعہ دربار خلافت عثمانی سے اپنارابطہ استوار کیا۔

☆سنہ ۹۳۷ھ (سنہ ۱۵۳۱ھ) میں بابر نے وفات پائی اور ہمایوں تخت نشیں ہوا،اس کے زمانے میں یہ رابطہ اور مستحکم ہوا،دلی کی شکایتیں قسطنطنیہ کے دربار خلافت میں پہونچتی تھیں، اور فیصلے جاری ہوتے تھے، سیدی علی کاسفرنامہ "مرآۃ الممالک" لاہور سے شائع ہواہے،اس سے اندازہ ہوتاہے کہ تمام اقصائے عالم میں ترکی خلیفہ کاخطبہ پڑھاجاتا تھا،اور ہمایوں نے اپنے وزراء کی طرف دیکھ کر کہا تھا کہ:

"سلطان ترکی ہی بادشاہ کہلانے کے حقدار ہیں،اور سطح زمین پر وہی اس عزت کے مستحق ہیں"[19]

---حواشی---

[18] ۔خلافت اور ہندوستان ص ۵۰ بحوالہ ظفرالوالہ ص ۳۱۶۔

[19] ۔خلافت اور ہندوستان ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ مرآۃ الممالک ص ۳۳۔

☆ہمایوں کے بعد شیر شاہ سوری (متوفی ۹۵۲ھ م ۱۵۴۵ء) بھی خلافت ترک کا معتقد اور معترف رہا، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانوں میں بھی خلافت ترکی کی عظمت مسلسل تسلیم کی گئی، البتہ مسجدوں میں سلاطین ترکی کے نام کا خطبہ نہیں پڑھا جاتا تھا، لیکن عالمگیر کے بعد جب مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہوا اور ملک کے مختلف حصے آزاد ہونے لگے تو پھر خطبوں میں سلاطین ترکی کا نام لیا جانے لگا، ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۲ء) میں دکن کے ایک بزرگ سید قمر الدین اورنگ آبادی حج سے واپسی پر سیلون پہونچے تھے، میر آزاد بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں کہ:

> "ساحلی مقامات میں ڈچوں کی حکومت ہے، اوراندرون ملک میں ہندوراجہ ہے، یہاں کے مسلمان بادشاہ ہند اور سلطان روم کے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں، لکونہ خادماًللحرمین الشریفین[20]۔

☆ آخری ادوار میں حیدر علی اور سلطان ٹیپو اور نظام حیدرآباد نے بھی دربار خلافت کے ساتھ اپنی عقیدت برقرار رکھی، حیدرآباد کی مکہ مسجد سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی مسجد تک ہر جگہ حضور نظام سے پہلے سلطان ترکی کا نام لیا جاتا تھا۔

یہ وہ تاریخی تسلسل ہے جس کی بناپر ہندوستان ہمیشہ دربار خلافت سے وابستہ رہا، ہندوستان کے لوگوں نے ہمیشہ دربار خلافت سے نیک توقعات قائم رکھیں، اس کی ہدایات پر عبادت سمجھ کر عمل کیا، مرکز خلافت پر کوئی افتاد آئی تو اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی۔

\---------------

-----حواشی-----

[20] ۔خلافت اور ہندوستان ص۷۷،۷۶۔

ہندستان میں تحریک خلافت کا پس منظر اور آغاز

ہندوستان میں تحریک خلافت بھی انہی نیک جذبات وتوقعات کی پیداوار تھی، جو خلافت عثمانیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ یا ترکی کے مرد بیمار کو بچانے کے لئے ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) میں اٹھی اور ۱۹۲۴ء میں خلافت کے خاتمہ کے ساتھ سرد ہوگئی۔

خلافت عثمانیہ دنیا کی عظیم ترین سلطنت

خلافت عثمانیہ-خلافت راشدہ، خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ کے بعد-اسلامی تاریخ کی چوتھی سب سے بڑی خلافت تھی جو دنیا کے نقشہ پر تین (۳) براعظموں (ایشیا، یورپ اور افریقہ) سے بحر سفید تک پھیلی ہوئی تھی، مختلف براعظموں میں اس کی درج ذیل ریاستیں تھیں (اب یہ خود مختار ممالک ہیں):

ایشیا:-حجاز، یمن، بصرہ، بغداد، موصل، صاب، سوریہ (شام)، حدارندگار، قونیہ، انقرہ (انگورہ)، ایدین، اطمفہ، قسطومنی، دیار بکر، تبلیسل، ارض روم، معمورۃ العزیز، آران، طرابزون۔

یورپ:-ادرنہ، سلالیسک، تعوضوہ، پانیہ، اشقودرہ، مناستر۔

افریقہ:-مصر، طرابلس۔

بحر سفید:-جزائر بحر سفید۔[21]

اس کا زمانۂ حکمرانی ۱۲۸۲ء تا ۱۹۲۴ء (۶۸۱ھ تا ۱۳۴۲ھ) چھ سو بیالیس (۶۴۲) سال ہے، اس دوران سینتیس (۳۷) حکمراں مسند آرائے خلافت ہوئے، جن میں پہلے آٹھ (۸) حکمراں سلطان تھے، خلیفۃ المسلمین نہ تھے، انہیں اسلامی سلطنت کی سربراہی کا اعزاز تو حاصل تھا، خلافت کا روحانی منصب حاصل نہ تھا، نویں (۹) حکمراں سلطان سلیم اول سے لے کر چھتیسویں (۳۶) حکمراں سلطان وحید الدین محمد سادس تک اٹھائیس (۲۸) حکمراں سلطان بھی تھے اور خلیفہ بھی، کیونکہ خلافت عباسیہ کے آخری حکمراں "محمد عباسی"

----حواشی---

21 -تحریک خلافت ص ۳۲ مرتبہ: قاضی محمد عدیل عباسی۔

نے جو مصر میں تھے ۹۲۴ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں سلطان سلیم کو منصب واعزاز خلافت کی سپردگی کے ساتھ وہ تبرکات نبویہ (رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تلوار، علم اور جبہ مبارک) بطور سند و یادگار دے دیئے تھے، جو کہ خلفائے بنو عباس کے پاس نسل در نسل محفوظ چلے آرہے تھے، اور سلطان سلیم ان کو قسطنطنیہ لے کر چلے آئے تھے، بلکہ خود آخری عباسی خلیفہ محمد عباسی نے بھی قسطنطنیہ ہی میں اقامت اختیار کرلی تھی، اس دن سے سلطنت عثمانی کا تاجدار خلیفۃ المسلمین، سلطان الاسلام، اور خادم الحرمین الشریفین کے خطابات سے یاد کیا جانے لگا[22]۔

جب کہ آخری حکمراں عبدالمجید آفندی صرف خلیفہ تھے سلطان نہیں تھے، کیونکہ یکم نومبر ۱۹۲۲ء (۱۱/ربیع الاول ۱۳۴۱ھ) کو مصطفےٰ کمال پاشا نے مغربی طاقتوں اور " برادری " کے ایماء پر ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے ذریعہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کی قرارداد منظور کرکے سلطان محمد وحیدالدین سادس کی اٹلی کی طرف ملک بدری کے احکامات جاری کردیئے تھے، اس لئے اس نامبارک دن سلطنت ختم ہوگئی، البتہ خلافت اب بھی باقی تھی، سلطان وحیدالدین کی جلاوطنی کے بعد ان کے پہلے قریبی رشتہ دار "عبدالمجید آفندی" کو آخری عثمانی خلیفہ بنایا گیا، مگر ۳/مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی کی قومی اسمبلی نے اتاترک مصطفےٰ کمال کی قیادت میں اسلامی خلافت کے خاتمے کا قانون بھی منظور کرلیا، اس طرح آخری خلیفہ جو سلطان نہ تھے، خلیفہ عبدالمجید دوم کی اپنے محل سے رخصتی اور پہلے سوئزرلینڈ پھر فرانس جلاوطنی کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کے بعد خلافت عثمانیہ کی آخری دیوار بھی منہدم ہوگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محقق مؤرخین کے مطابق ان ۳۷ حکمرانوں میں سے آخری تین محض برائے نام حکمراں تھے، اصل طاقت ان خفیہ قوتوں کے ہاتھ میں تھی جو سلطنت اور خلافت کے خاتمے کے درپے تھے، جنہوں نے جمہوریت کے سحر میں دنیا کو گرفتار کیا ہوا تھا، وہ اچھے وقت کے انتظار میں ان کو برائے نام سامنے رکھ کر باگیں اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھے، تاکہ ان پر کسی قسم کا الزام نہ آئے، اور زوال کی تمام وجوہات خود عثمانی حکمرانوں کی طرف منسوب ہوں[23]۔

---حواشی---

22 - تحریک خلافت ص ۱۰۴۔

23 - ترک ناداں سے ترک داناں تک ص ۲۷۹،۲۷۸ مرتبہ: مفتی ابولبابہ شاہ منصور۔

دشمن کی آنکھ کا کانٹا

ترکی کی عظیم الشان اسلامی سلطنت ایک عرصہ سے یورپ وامریکا کی عیسائی سلطنتوں کی آنکھ میں کانٹابن کر چبھ رہی تھی، کتنی صلیبی جنگیں مسلمانوں کی عظمت کو توڑنے کے لئے پہلے بھی لڑی جاچکی تھیں، انہوں نے آپس میں خفیہ معاہدے کئے کہ ترکی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کرلیں، اور صفحۂ یورپ سے ترک سلطنت کا نام مٹادیا جائے، ترکی کے بھی حصے کر دیئے جائیں، ایک حصہ سمرنا کا یونان کو دے دیا جائے، اور دوسرا حصہ قسطنطنیہ کا اٹلی کو، کیونکہ ترکوں سے پہلے عیسائی نظام کے دو حصے تھے، ایک حصہ مغربی روم کے ماتحت تھا اور دوسرا حصہ مشرقی قسطنطنیہ کے ماتحت، ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے مشرقی نظام کا خاتمہ کر دیا تھا، اس لئے زارروس، برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکا جن کو اتحادی کہا جاتا تھا، کی خواہش تھی کہ یہ نظام مشرقی پھر قائم ہو[24]۔

ترکی کے خلاف سازشوں کا آغاز

چنانچہ اس کے لئے انہوں نے مختلف محاذوں پر سازشیں شروع کر دیں:

☆ خلافت عثمانیہ کی مخالفت میں فتنہ پردازی کا آغاز ۱۸۹۶ء (۱۳۱۳ھ) کی جنگ یونان وروم سے ہوا اس وقت برطانیہ کی ہمدردی واعانت یونان کے ساتھ تھی[25]۔

☆ ۱۹۰۸ء (۱۳۲۶ھ) میں خلافت عثمانیہ میں انقلاب پیش آیا، نوجوان ترکوں کی انجمن اتحاد وترقی کی خفیہ تدبیریں کامیاب ہوئیں، اور انور پاشا وغیرہ نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے دستوری حکومت کا اعلان کر دیا، نوجوان ترکوں کے اعلان کے چند ہی روز بعد اٹلی نے دولت عثمانیہ کے آخری افریقی مقبوضہ طرابلس الغرب (ٹریپولی) پر حملہ کر دیا، اس حملہ نے ساری دنیائے اسلام میں آگ لگادی، خصوصیت کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں نے بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا، جس کا اندازہ علامہ اقبالؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ کے مختلف اشعار سے ہوتا ہے:

-----حواشی-----

---

24 - حسن حیات ص ۵۴ مرتبہ: شاہ محمد عثمانیؒ۔

25 - خلافت اور ہندوستان ص ۷۸ تا ۸۴۔

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
زمیں کو چھوڑ کے سوئے فلک روانہ ہوا
فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضور آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو
کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز
نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا
حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالۂ وگل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

اور علامہ شبلی نے کہا:

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض نیم جاں کب تک
کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تا کے، یہ حشر انگیزیاں کب تک
کہاں تک لوگے ہم سے انتقام فتح ایوبی

دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

علامہ اقبال کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہوا:

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

عالم اسلام پتے کی طرح بکھر گیا

☆ابھی یہ صدمہ وہ بھولنے بھی نہیں پائے تھے کہ ۱۹۱۰ء (۱۳۲۸ھ) میں بلقان کی ریاستوں نے یورپ کی شہ پر دولت عثمانیہ کے یوربی حصوں میں بغاوت کر دی، اور جنگ بلقان کا آغاز ہوا، یہ جنگ کے شعلے اگرچہ یورپ میں اٹھ رہے تھے، مگر ہندوستان کے مسلمانوں کا جوش وخروش دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جنگ ہندوستان ہی میں لڑی جارہی ہے، چند سال کے بعد یہ جنگ اس طرح ختم ہوئی کہ ترکوں کے ہاتھ سے یورپ کا بڑا حصہ نکل گیا۔

جنگ عظیم کے نتائج

اس کے چار سال کے بعد ۱۹۱۴ء (۱۳۳۲ھ) میں خود یورپی ممالک میں باہم جنگ شروع ہوگئی، روس، جرمنی اور آسٹریا ایک طرف، اور انگلینڈ، فرانس اور اٹلی دوسری طرف، اس جنگ کے چند ماہ بعد ترکی نے نومبر ۱۹۱۴ء (۱۳۳۲ھ) میں جرمنی کے ساتھ مل کر اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اب مسلمان جو یورپ کی اس پہلی جنگ عظیم میں غیر جانبدار تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے، دفعتاً جرمنوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے لگے، اس وقت انگریزی حکومت نے ایک طرف اپنی مسلمان رعایا کی تسکین کی خاطر یہ اعلان کیا کہ اسلام کے مقدس مقامات حملہ سے محفوظ رہیں گے، دوسری طرف انہوں نے اس جنگ کو جیتنے کے لئے عجیب وغریب سازش کی، انہوں نے ترکوں سے عربوں کو الگ کرنے کے لئے شریف حسین امیر مکہ کو اپنے ساتھ ملا کر اور ایک عرب شہنشاہی کا خواب دکھا کر جو بحر احمر سے لے کر بحر روم تک محیط ہوگی، ترکی حکومت سے بغاوت کا اعلان کرا دیا، اور اس لالچ میں عرب ترک سے ٹکرا گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ عراق وشام اور فلسطین اور حجاز دولت عثمانیہ سے الگ ہو کر اتحادیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

ٹھیک اسی وقت انگریز یورپ میں جرمن کے یہودیوں کو فلسطین کی نذر پیش کر کے سارے یورپ کے یہودیوں کو اپنے ساتھ ملا رہے تھے، اور آخر یہودیوں نے جرمن کے خلاف سازش کر کے اس کو تباہ کر ڈالا، اور اس کے بدلے میں فلسطین کے یہودی قومی وطن بنائے جانے کا اعلان انگریزی حکومت سے کرایا، یہی وہ تخم ہے جس سے فلسطین میں اسرائیل کی خود مختار حکومت کا نخل تناور ہوا۔

انگریزوں نے شریف حسین سے جس عرب شہنشاہی کا وعدہ کیا تھا اس کا ایفا اس طرح کیا کہ حجاز کی بادشاہی ان کو دی گئی، مگر یہ بادشاہی بہت زیادہ دیر اس کے پاس نہ رہ سکی، اور امیر عبد العزیز نے حملہ کر کے وہاں سعودی حکومت کی بنیاد ڈال دی۔

شریف کے بڑے صاحبزادے امیر فیصل کو جو کرنل لارنس کے ساتھ ساتھ ترکوں سے جنگ میں سب سے پیش پیش تھے، اور جو لارڈ النبائی کے ہم رکاب بیت المقدس کو ہلال کے قبضے سے نکال کر صلیب کے حوالے کر رہے تھے، شام کا تخت پیش کیا گیا، مگر یہ تخت بھی چندماہ سے زیادہ بچھا نہ رہ سکا، اور فرانس نے لڑکر ان کو شام سے باہر کر دیا، اس طرح پورا ملک عرب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے زیر اقتدار چلا گیا۔

ترکی کی عظیم الشان سلطنت کا جو حصہ افریقہ میں تھا اٹلی غصب کر چکا تھا، یورپ میں اس کے صوبے آسٹریا، بلغاریہ، سرویا، مانٹی نیگرو، اور یونان میں بٹ چکے تھے، البانیہ کی چھوٹی سی ریاست جس میں اسلامی اکثریت تھی، گو خود مختار بن چکی تھی مگر اس وقت وہ اٹلی کی زد میں تھی۔

اتحادی فوجیں اس وقت قسطنطنیہ پر قابض تھیں، ترکی کا سلطان قسطنطنیہ میں اتحادیوں کے بس میں تھا، اور بڑا امر یہ زیر غور تھا کہ ترکی کا بقیہ یورپینی مقبوضہ تھریس کس کو دیا جائے، قسطنطنیہ کس کے پاس رہے؟ اناطولیہ میں سمرنا گویا یونانیوں کو مل ہی چکا تھا، اور بقیہ اناطولیہ کی سپردگی کا مسئلہ درپیش تھا، یونان کا وزیر اعظم وینی زیلاس برطانیہ کو اس بات پر آمادہ کر رہا تھا، کہ ترکی کا بڑا حصہ یونان کے حوالے کر دیا جائے، اُدھر ترکی کے صوبہ آرمینیا میں اتحادی بغاوت کرا رہے تھے، اور آرمینی سارے اتحادی ملکوں میں ترکوں کے مظالم اور اپنی مظلومی کی داستانیں گھڑ گھڑ کر رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملا رہے تھے، یہودی توراۃ و انجیل کے حوالوں سے عیسائیوں کو یہ باور کرا رہے تھے کہ اخیر زمانہ میں بنی اسرائیل کے فلسطین میں دوبارہ اکٹھے ہونے

کی جو پیشین گوئی کی گئی ہے اس کے پورا ہونے کا وقت یہی ہے۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

ان مشکلات کے نرغے میں مصطفےٰ کمال پاشا ترکی کا ہیرو بن کر مٹھی بھر نوجوان ترکوں کے ساتھ اناطولیہ میں ترکی کی بچی کھچی سلطنت کے لئے سر گرم پیکار تھا[26] اور وہ بھی بالآخر اتحادیوں کی سازش کا شکار ہوا، اور اسی کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، علامہ اقبالؒ نے اسی کے بارے میں کہا تھا۔ ؎

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ دشمن کی عیاری بھی دیکھ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی عالمی تحریک

(حریت وطن، احیاء خلافت اور مقامات مقدسہ کا تحفظ)

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے سخت اضطراب کا باعث تھی، ہندوستان کے مسلمان بھی بہت زیادہ بے چین تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی عالمی تحریک انہی حالات کی پیداوار ہے، حضرت نے دارالعلوم کی چٹائیوں پر بیٹھ کر مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا کی، پورے ملک سے چندہ کرا کر ترکی کو امداد بھجوائی، دارالعلوم دیوبند کے بہت سے طلبہ نے اپنی تعلیم روک کر اس کام میں حصہ لیا، اس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ اکثر احادیث جہاد پر تقریر فرمایا کرتے تھے، آپ کا دفاعی نیٹ ورک ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، آپ نے راجستھان میں اسلحہ سازی کا کارخانہ بھی قائم فرمایا تھا، آپ کے سفراء اور نمائندے دنیا کے مختلف ملکوں میں اعلیٰ سطحی سفارتی سرگرمیوں میں مصروف تھے، افغانستان میں آپ کے زیر ہدایت ہندوستان کی ایک متبادل عارضی حکومت بھی قائم کر دی گئی تھی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ، وزیر اعظم برکت اللہ بھوپالی، اور وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر حسب معمول

----حواشی--

26 -برید فرنگ (مجموعۂ خطوط علامہ سید سلیمان ندوی)-جو علامہ نے ۱۹۲۰ء میں یورپ سے ہندوستان کی مختلف شخصیتوں کے نام لکھے تھے-ص ۷ تا ۱۲، شائع کردہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۷ء۔

اراکین تھے، آپ کی تحریک ریشمی رومال اسی کا حصہ تھی[27]۔

ہندوستان کے دیگر علماء و قائدین بھی اپنے اپنے طور پر سرگرم تھے، آئے دن احتجاجی جلسے جلوس ہونے لگے، انقلاب پسند جماعتیں وجود میں آئیں، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال اورالبلاغ کے ذریعہ اور مولانا محمد علی جوہرؒ نے اپنے انگریزی اخبار "کامریڈ" کے ذریعہ مسلمانوں کا خون گرمایا، لکھنؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، گیا میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، اور پٹنہ میں مولانا مظہر الحقؒ وغیرہ اس انقلاب کے بڑے علمبردار تھے[28]۔

مجلس خلافت کا قیام

یہی حالات تھے جب ہندوستان میں تحفظ خلافت کی تحریک اٹھی اور مجلس خلافت کا قیام عمل میں آیا۔ معلوم ذرائع کے مطابق اس میں سب سے پیش پیش حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ[29] اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ[30] تھے، مولانا عبدالباری صاحبؒ نے دسمبر ۱۹۱۳ء (محرم الحرام ۱۳۳۲ھ) ہی میں

---حواشی---

[27] - تحریک خلافت ص ۱۳۳تا۱۳۵اور ۶۴تا۶۸۔

[28] - تحریک خلافت ص ۱۳۳تا۱۳۵اور ۶۴تا۶۸۔

[29] - حضرت مولانا شاہ قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ ہندوستانی علماء میں انتہائی ممتاز، مقبول اور غیور شخصیت کا نام ہے، اسم گرامی: شاہ عبدالباری۔ لقب: امام العلماء تھا، آپ والدین کی طرف سے نسباً انصاری ایوبی تھے، سلسلۂ نسب دونوں جانب سے ملا قطب الدین شہیدؒ تک سات (۷) واسطوں سے پہونچتا ہے، حضرت شاہ عبدالباری بن حضرت شاہ مولانا عبدالوہابؒ بن حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرزاقؒ بن حضرت مولانا شاہ محمد جمال الدینؒ بن ملک العلماء مولانا کمال الدینؒ، ابن مولانا انوار الحقؒ ابن مولانا احمد عبدالحقؒ بن ملا سعیدؒ بن ملا قطب شہید سہالویؒ۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۰/ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۴/اپریل ۱۸۷۸ء روز یک شنبہ کو غالباً بوقت شب "فرنگی محل" لکھنؤ میں محلسرائے ملا حیدر کے مشرقی ڈیرہ میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، جد امجد نے رسم بسم اللہ ادا کی، حفظ قرآن مجید یکے بعد دیگرے حافظ حاتم صاحب، حافظ وارث صاحب، اور حافظ عبدالوہاب صاحب کے پاس مکمل کیا، ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) میں حفظ قرآن مکمل ہوا، ابتدا میں پڑھنے کی طرف زیادہ رجحان نہیں رکھتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالباقی بن علی محمد انصاری فرنگی محلی مدنیؒ سے اکثر علوم کا درس لیا، درمیان میں جب مولانا عبدالباقی صاحب حج کو تشریف لے گئے، تو میبذی، قطبی مع حاشیۂ میر، نفحۃ الیمن، اقلیدس عربی، خلاصۃ الحساب اور تفسیر جلالین مولانا غلام احمد پنجابی سے پڑھیں، منطق (ملاحسن و میر زاہد رسالہ کے علاوہ) اور فلسفہ، ہیئت واصطرلاب کی تمام درسی کتابیں نیز مسلم، خیالی، میر زاہد امور عامہ، ہدایہ اخیرین اور صحیح بخاری مکرراً حضرت مولانا عین القضاۃ بن محمد وزیر

الحسینی حیدر آبادیؒ سے پڑھیں جو مولانا ابو الحسنات عبد الحئی فرنگی محلیؒ کے تلمیذ رشید اور خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت بحر العلوم کے بعد علمائے فرنگی محل میں جو شہرت ان دونوں بھائیوں کو حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں درسیات سے فراغت ہوئی، اور مولانا عبد الباقی صاحبؒ نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

پڑھنے کے زمانہ سے ہی انتہائی ذہین تھے، ایک نظر ڈالتے ہی کتاب سمجھ میں آجاتی تھی، اس لئے درسی کتب کے مطالعہ کے بجائے غیر درسی کتب کا مطالعہ بکثرت فرماتے تھے، آپ کے کتب خانہ (جو حضرت مولانا عبد الحئیؒ کے کتب خانہ کے بعد سب سے بڑا کتب خانہ تھا) میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو آپ کی نظر سے نہ گذری ہو یا یہ کہ اس پر کچھ فوائد و حواشی نہ چڑھائے ہوں۔

کتب تصوف کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، بیعت بچپن ہی میں اپنے جد امجد سے ہو گئے تھے، اور بیعت کے ساتھ ہی پیرو مرشد نے تمام سلاسل کی اجازت ارشاد بھی مرحمت فرمادی تھی، مگر تعلیم مکمل ہونے کے بعد والد ماجد کے پاس تجدید بیعت کی، اور دوبارہ اجازت حاصل ہوئی، سلسۂ قادریہ میں دیگر بزرگوں سے بھی اجازت حاصل ہوئی۔

۱۳۲۲ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج کے بعد مدینہ طیّبہ میں حضرت علامہ سید علی بن ظاہر الوتری المدنیؒ اور شیخ الدلائل علامہ سید امین رضوانؒ اور علامہ سید احمد برزنجی مدنیؒ اور بالخصوص حضرت شیخ المشائخ سید عبد الرحمٰن بغدادی نقیب الاشرافؒ قدس اللہ اسرارہم وغیرہ سے سند حدیث اور اجازت سلاسل طریقت حاصل کی۔

آپ کو تمام علوم وفنون میں تبحر کامل حاصل تھا، تمام درسی کتب میں یکساں مہارت تھی۔۔ ۹/ جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں آپ کی کوششوں سے جب فرنگی محل لکھنؤ میں مدرسہ عالیہ نظامیہ کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تو آپ نے وہاں پوری تندہی کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ نے مدرسہ کے تعلیمی نصاب میں حساب الجبرا، جامیٹری جغرافیہ اور اوپر کی جماعتوں میں انگریزی لازم کر دی تھی، مدرسہ کے اخراجات ریاست دکن، ریاست رامپور اور ریاست نان پارہ کی امداد سے پورے ہوتے تھے، اس مدرسہ سے بے شمار طلبہ نے استفادہ کیا، ابتداً معقولات کی طرف زیادہ توجہ تھی، لیکن بعد میں آپ کی مشغولیت درس قرآن وحدیث کی طرف ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے گھر پر مثنوی مولانا رومؒ کا بھی درس دیتے تھے۔ جس میں بڑے بڑے علماء وفضلاء شریک ہوتے تھے، آپ کے فیوض علمیہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے قرآن کریم کا درس دیتے تھے، جس کا نصاب غالباً پانچ پارہ تھا، اور ہفتہ میں دو دن جمعرات اور جمعہ کو سبق ہوتا تھا، خود بھی انگریزی سے واقف تھے، آپ کے باقاعدہ تلامذہ کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہے، جن میں بڑے بڑے علماء، مشائخ اور اصحاب کمال شامل ہیں، (ایک مختصر فہرست تلامذہ حسرۃ الآفاق میں دی گئی ہے ص ۸ تا ۱۰) تمام دینی و دنیاوی امور پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، دار لعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن ہوئے، دار العلوم دیوبند بھی تشریف لے جاتے تھے، دار العلوم معینیہ اجمیر شریف سے بھی اچھے روابط تھے، آپ نے ان آزمائشی حالات میں جب خطۂ ہندوستان پر انگریز قابض ہو چکے تھے، اور خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشیں عروج پر تھیں، اور ان کی سازشیں حجاز مقدس کے حدود تک پہونچ گئی تھیں اس وقت آپ نے (۱۹۱۳ء/ ۱۳۳۱ھ) میں "انجمن خدام کعبہ" کی بنیاد رکھی، جس کے خادم الخدام (صدر) آپ تھے اور مولانا شوکت علی اور شیخ مشیر حسین قدوائی معتمد مقرر ہوئے، اس انجمن نے حملہ آوروں کے مظالم اور مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کا سختی سے نوٹس لیا، مولانا تقریباً ہر مہینہ ایک مرتبہ اور بعض دفعہ دو مرتبہ خدام کعبہ کے سلسلے میں دہلی تشریف لے جاتے تھے، آپ تحریکِ خلافت اور

جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں ہیں، آپ نے ان کی حمایت میں بہت سے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی، مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ آپ سے بیعت تھے اور آپ کے ہی دربار سے ان کو مولانا کی سند ملی تھی، لیکن جب حجاز میں سعودی تحریک اٹھی اور ارباب خلافت نے ان کی حمایت اور شریف حسین کی مخالفت کی تو آپ نے ارباب خلافت سے ترک تعلق کرلیا، اور ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں "خدام الحرمین" کے نام سے ایک نئی جمعیۃ قائم کی، آپ انگریز اوران کے حامیوں کے زبردست مخالف تھے، اللہ جل شانہ نے آپ کو مقبولیت عامہ عطا فرمائی تھی۔ آپ کا دولت کدہ ایک ملی اور سیاسی مرکز تھا۔ جہاں ہر وقت ہر مسلک ومذہب سے تعلق رکھنے والے عوام وخواص کا اژدحام رہتا تھا۔ جن کی مفت ضیافت آپ کے دستر خوان پر کی جاتی تھی، بہت فیاض اور مہمان نواز تھے۔ آپ کا گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہتا تھا۔ ہر آنے والے کی بڑی توقیر فرماتے تھے، غریب مسلمانوں کی امداد واعانت آپ کا شیوہ تھا۔ بہت جری اور باوقار تھے، کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، اگر کہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ووقار کی بات آتی تو جواب دینے والوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ طبیعت پر جلال کا غلبہ تھا، خاص طور پر علماء ومشائخ کی بے پناہ عزت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علماء ومشائخ کی عزت و توقیر اسلام کی توقیر ہے۔ سفر ہو یا حضر نماز باجماعت کے نہایت پابند تھے، اوراس مقصد سے سفر میں کم از کم دو رفیق لازماً ساتھ ہوتے تھے، اوراد ووظائف اور صوفیانہ اعمال واشغال پر بھی سختی سے عامل تھے، آپ کے وصال سے فرنگی محل کا ایک عہد ختم ہوگیا، اور علم کا ایک بڑا باب بند ہوگیا۔ آپ علمائے فرنگی محل کے سرتاج تھے، آپ کا وصال سہ شنبہ ۴/ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹/ جنوری ۱۹۲۶ء کو شب میں گیارہ بج کر دس منٹ پر فالج کے حملے میں ہوا۔ دوسرے دن قریب ڈھائی بجے ظہر کے بعد فرنگی محل میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

آپ کا پہلا عقد ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں ہوا تھا، جس سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے، اور ولادت میں اہلیہ کا انتقال ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد وہ صاحبزادہ بھی چل بسا، دوسرا عقد غالباً ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) میں ہوا اس سے سترہ اٹھارہ اولاد پیدا ہوئی، لیکن ایک بھی زندہ نہ بچی، صرف دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ (آخری عمر میں) زندہ بچے، ان میں بھی ایک صاحبزادی نے اکیس (۲۱) سال کی عمر میں شادی کے بعد دو خردسال بچوں کو چھوڑ کر الوداع کہا، اس طرح وفات کے وقت چھوٹی عمر کی ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ موجود تھے، جن کی شادیاں بعد میں ہوئیں۔

اولاد، تلامذہ اور مریدین کے علاوہ بہت سی اہم تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں جن کی تعداد ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے اوپر بتائی جاتی ہے، حسرۃ الآفاق میں ایک سو دس (۱۱۰) کتابوں کی فہرست نام بہ نام دی گئی ہے، علاوہ یادداشتوں اور مضامین کا مجموعہ آٹھ (۸) جلدیں، اور فتاویٰ کا مجموعہ دو جلدیں، کتب درسیہ پر حواشی وتعلیقات نیز سائنس وکلام کے موضوعات پر رسائل چونتیس (۳۴) جلدیں، بلکہ مصنف حسرۃ الآفاق کا احساس یہ ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد اس سے بھی زائد ہے جہاں تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی، آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں: آثار الاول من علماء فرنگی محل ☆ حسرۃ المسترشد بوصال المرشد ☆ التعلیق المختار علیٰ کتاب الآثار ☆ رسالہ فی حلۃ الغناء ☆ سراجی پر نوٹس ☆ التعلیق المختار ☆ مجموعۂ فتاویٰ ☆ ملھم الملکوت شرح مسلم الثبوت، ☆ الآثار المحمدیۃ والآثار المتصلۃ ☆ المذھب المؤید بما ذھب الیہ احمد وغیرہ (الاعلام بمن فی الھند من الاعلام ج۸ ص۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ☆ حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، ناشر: اشاعۃ العلوم فرنگی محل، سن تصنیف: ۱۹۲۹ء)

انجمن خدام کعبہ قائم کی تھی[31]، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے غالباً اسی مناسبت سے تحفظ خلافت کی تحریک کے لئے مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ سے تبادلۂ خیال فرمایا۔

اسی اثناء جناب مشیر حسین صاحب قدوائی[32] جو اس وقت لندن میں مقیم تھے نے بھی اسی مضمون کا خط ہندوستان کی کئی ممتاز شخصیات کو لکھا، جن میں حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ اور حضرت مولانا ابو المحاسن سجادؒ بھی شامل تھے، بہر حال یہ ایک وقت کی آواز تھی، جس کی معقولیت کو ہر ایک نے تسلیم کیا اور پھر مولانا عبد الباریؒ اور مولانا سجادؒ کے اشتراک باہم سے خلافت کمیٹی کی پہلی بنیاد لکھنؤ میں ڈال دی گئی، شاہ محمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

> "مولانا ابو الکلام آزاد کے دستخط سے کلکتہ کے ایک جلسہ کی خبر "مسلم آؤٹ لک لندن" میں شائع ہوئی ہے اس میں مولانا نے خلافت کمیٹی کے جلسوں کی خبروں کا ذکر جس ترتیب سے کیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کا پہلا جلسہ لکھنؤ میں ہوا تھا، اس کے بعد دہلی، امر تسر اور پھر بمبئی میں، بہر حال بمبئی میں یہ جماعت مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہو گئی، اور سیٹھ چھوٹانی اس کے صدر ہوئے اور مولانا محمد علی جوہرؔ نے اس کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لی، اور اس تحریک کو چار چاند

---

30 - حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کے مفصل حالات کے لئے مطالعہ کریں حقیر راقم الحروف کی کتاب "حیات ابو المحاسن"

31 - حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق ص ۱۶ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، ناشر: اشاعۃ العلوم فرنگی محل، سن تصنیف: ۱۹۲۹ء)

32 - شیخ مشیر حسین قدوائی بیر سٹر ایٹ لاو تعلقہ دار گدیہ (بارہ بنکی صوبہ اودھ) بڑے صاحب علم، باخبر اور ملک کے ممتاز دانشوروں میں تھے، اسلام کے پر جوش سپاہی تھے، عمر بھر فرنگستان کی وادیوں میں قلمی جہاد میں مصروف رہے، یورپ اور دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مشاہیر اور اکابر سے ملاقاتیں اور مراسلتیں رکھتے تھے، وہ اتحاد اسلامی کی تحریک کے بانیوں اور ملک کی سیاسی آزادی کے حامیوں میں تھے، ۱۹۲۰ء میں فیض آباد خلافت کانفرنس کے صدر ہوئے، اس موقعہ پر انہوں نے جو خطبۂ صدارت دیا تھا وہ ہندوستان میں ترکی اور یورپ کے معاملات کے متعلق پہلا ذریعۂ علم تھا، آخر دم تک خدمت اسلام میں مصروف رہے، وفات سے شاید چند یوم پیشتر ان کی آخری انگریزی تصنیف "اسلام اور بولشزم" شائع ہوئی، ندوہ کے پرانے رکن تھے، ندوہ کی سرکاری امداد کے سلسلے میں ان کی کوششیں بھی شامل تھیں، نماز وغیرہ کے بہت پابند تھے، دل کے پرانے مریض تھے، ۲۳/ دسمبر ۱۹۳۷ء کو انسٹھ (۵۹) برس کی عمر میں اسی بیماری دل نے آخر کام تمام کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون (یاد رفتگاں ص ۱۸۰ تصنیف علامہ سید سلیمان ندویؒ، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی، ۲۰۰۳ء

لگادیا، مشیر حسین قدوائی کا خط اور اس بنیاد پر خلافت کمیٹی کے قائم ہونے کا قصہ خود مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے گیا مدرسہ انوارالعلوم میں کچھ لوگوں کے سامنے بیان کیا تھا، اس مجلس میں راقم الحروف بھی موجود تھا"[33]۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ کا بیان یہ ہے کہ مولانا عبدالباری صاحبؒ اس مقصد کے لئے "دفاع ملی" کے نام سے ایک مجلس قائم کرنے کا خیال رکھتے تھے، کہ اسی دوران ان کو خبر ملی کہ بمبئی کے چند اہل خیر سیٹھوں نے "مجلس خلافت" کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے، مولاناؒ نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ آل انڈیا تحریک بن جائے، گو صدر مقام بمبئی ہی رہے، چنانچہ مولاناؒ نے لکھنؤ کے اہل رائے حضرات کے مشورہ کے بعد ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ میں کرنے کا پروگرام بنایا، جس میں پورے ملک سے نمائندہ شخصیتوں کو دعوت دی گئی، کانفرنس کے مصارف کی ذمہ داری مولاناؒ نے اپنے سر لی، مجلس استقبالیہ تشکیل دی گئی، اور جلسہ نہایت شان وشوکت سے منعقد ہوا، اور اسی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کے قیام کی منظوری ہوئی اور صدر مقام بمبئی قرار پایا[34]۔

مجلس خلافت کی تاسیس میں حضرت مولانا سجادؒ کا کردار

خلافت کمیٹی کی تاسیس میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کا بھی بنیادی اور اولین حصہ تھا، یہ بات آپ کے حلقہ میں بہت معروف تھی، امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ رقمطراز ہیں:

"جہاں تک مجھے یاد آتا ہے، خلافت کمیٹی جو تمام ہندوستان پر چھاگئی، اور جس نے سلطنت کی بنیاد کو ہلادیا تھا، اس کی ابتدا کرنے والوں میں مولانا عبدالباری صاحبؒ کے ساتھ وہ بھی شریک تھے، خلافت کمیٹی بمبئی میں قائم ہوئی تھی، پھر مولانا لکھنؤ آئے، وہاں قائم ہوئی، پھر صوبہ بہار میں سب سے پہلے گیا میں آکر قائم کیا، اور اس

----حواشی---

33 - حسن حیات ص ۵۷۔

34 - حسرۃ الآفاق ص ۲۴۔ غالباً یہ اجلاس انجمن مؤید الاسلام کے بینر تلے ہوا تھا اور اسی کے داعیان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے مولانا سجادؒ کا نام بھی شامل کیا تھا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور کچھ تذکرہ آگے آئے گا ان شاء اللہ۔

کا دوسرا اجلاس پھلواری میں کیا اس کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں میں قائم ہوئی"[35]۔

مولانا عبد الصمد رحمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"خلافت کمیٹی کی بنیاد کی پہلی اینٹ جو بمبئی میں رکھی گئی اس میں حضرت ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ لکھنؤ کا ہاتھ تھا، اس کے بعد جب مولانا بمبئی سے واپس ہوئے تو ہندوستان میں اس کی سب سے پہلی شاخ گیا میں قائم ہوئی"[36]

حضرت مولانا سجادؒ کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ رقمطراز ہیں:

"۱۹۱۸ء میں ٹرکی کی شکست اور اس کی سلطنت کی تقسیم نے مسلمانوں کو اتحادیوں کی طرف سے بددل کر دیا، ہندوستان میں اس کے خلاف احتجاجی جلسے شروع ہوگئے، مولانا نے اس نازک موقعہ پر جب کہ ملک میں ہنگامی قوانین جاری تھے، بلا خوف و خطر اعلان حق کیا، ممالک اسلامیہ کی حفاظت، جزیرۃ العرب اور خلافت اسلامیہ کی اہمیت سے لوگوں کو واقف کرایا، ان کے تحفظ وبقا کے لئے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی، ملک میں پوری قوت کے ساتھ خلافت کی تحریک پھیلی، جس سے مسلمانوں میں آزادی اور خودمختاری کے حصول کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا[37]

قاضی سید احمد حسین صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

"پہلی خلافت کانفرنس کے سلسلہ میں مجھ کو مولانا کے ساتھ خلافت کانفرنس میں

-----حواشی---

[35] -حیات سجاد ص ۶۸۔

[36] - تاریخ امارت ص ۵۰، ۵۱ مرتبہ مولانا عبد الصمد رحمانی۔یہی بات مولانا عبد الصمد رحمانیؒ نے حیات سجاد میں بھی لکھی ہے (ص ۹۲ حاشیہ)

[37] -حیات سجاد مصنفہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ ص ۴۔

شرکت کا موقعہ ملا اور وہاں میں نے پہلی دفعہ گاندھی جی کو دیکھا"[38]

قاضی عدیل عباسی تحریک خلافت کے آغاز کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جس وقت تحریک خلافت کا آغاز ہوا مسلمانوں میں بہترین دل ودماغ رکھنے والے دانشور موجود تھے مثلاً مولانا ابو الکلام آزاد، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مفتی کفایت اللہ ، مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امر تسری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی، مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا سید محمد فاخر الہٰ آبادی ،مولانا احمد سعید، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا ابو القاسم سیف بنارسی، مشیر حسین قدوائی، ظفر الملک علوی، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مسٹر مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمود آغا صفدر، اور ظفر علی خان وغیرہ"[39]۔

انجمن مؤید الاسلام کے اجلاس میں تجویز خلافت

البتہ اس میں حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ اور حضرت مولانا سجاد کا کردار بنیادی تھا، جیسا کہ اوائل فروری ۱۹۱۹ء میں انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل کی رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے، اس اجلاس میں خلافت کے تعلق سے ایک جامع تجویز منظور کی گئی تھی، پہلے اس اجلاس کی رپورٹ قاضی عدیل عباسی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"فروری ۱۹۱۹ء کے اوائل میں انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل میں منعقد ہوا جس میں طے کیا گیا کہ:

☆ احکام اسلامیہ کی رو سے بجز موجودہ سلطان ترکی کے کوئی دوسرا خلیفہ نہیں، اور

----حواشی--

[38] - حیات سجاد ص ۷۵، ۷۶۔

[39] - تحریک خلافت ص ۲۰۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے خلافت کے باب میں امت محمدیہ کے سوا غیر مسلم کی رائے بے اثر ہے، مسلمانوں نے جہاں کہیں اس بارے میں آواز بلند کی ہے وہ شریعت اسلامیہ کے بالکل مطابق ہے، اور یہ جلسہ اس کی تائید کرتا ہے۔

☆ یہ بھی طے ہوا کہ یہ جلسہ اس تجویز سے اتفاق کرتا ہے کہ ایک فتویٰ احکام خلافت سے متعلق حدود عرب و ممالک اسلامیہ کے علماء کرام سے دستخط کرا کے اور مشیر قانون سے مشورہ کر کے گورنر جنرل اور وزیر ہند کی خدمت میں روانہ کیا جائے، اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ جو خیالات اسلامی انجمنوں نے ظاہر کئے ہیں وہ احکام شریعت کے بالکل مطابق ہیں، اگر کوئی شخص اس کے خلاف ظاہر کرے تو وہ شریعت اسلامیہ کا حکم نہ سمجھا جائے، اور حکومت کو غلط فہمی نہ ہونے پائے، اس جلسہ کی تجویز نمبر ۶ لفظ بہ لفظ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

"یہ جلسہ اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مذہبی رواداری ہماری بنائے طاعت ہے، حضور ملک معظم کی گورنمنٹ سے اظہار وفاداری کرتے ہوئے یہ جتانا ہے کہ ممالک اسلامیہ کا عموماً اور بلاد مقدسہ کا جس میں قسطنطنیہ بھی داخل ہے خصوصاً تخت خلافت سے وابستہ رہنا مذہب اسلامی کی رو سے ایک نہ بدلنے والا حکم ہے، لہٰذا اس اسلامی حکم کی رو سے مجلس ہٰذا گورنمنٹ برطانیہ سے پورے زور کے ساتھ مستدعی ہے کہ وہ اپنا رسوخ واثر صلح کانفرنس میں بایں غرض استعمال کرے کہ جو ممالک اس جنگ میں سلطان المعظم سے علٰحدہ ہو گئے ہیں وہ بجنسہ سابقہ حقوق کے ساتھ سلطان المعظم کو واپس کر دیئے جائیں، ورنہ بغیر اس کے صلح مسلمانوں کو مطمئن نہیں کر سکتی ہے"[40]

رپورٹ اور تجاویز کا اسلوب بتاتا ہے کہ خلافت کے تعلق سے اس اجلاس سے قبل آوازیں اٹھنے

----حواشی----

40 - تحریک خلافت ص ۱۱۲، ۱۱۱۔

لگی تھیں اور شاید اسی موقعہ پر خلافت کمیٹی کا قیام بھی عمل میں آگیا تھا۔

واضح رہے کہ یہ وہی اجلاس ہے جس کے داعیان میں مولانا فرنگی محلیؒ نے مولانا محمد سجادؒ کا نام بھی شامل فرمایا تھا، اور اسی مجلس میں جمعیۃ علماء ہند کا پہلا خاکہ پیش کیا گیا تھا، لیکن اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل نہ ہوسکی تھی اور اس کو اگلی خلافت کانفرنس (دہلی) پر محول کردیا گیا تھا[41]، اس سے تحریک خلافت میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے بالکل ابتدائی داعیانہ اور بنیادی کردار کا پتہ چلتا ہے۔

تحریک خلافت کا مرکز اولین۔فرنگی محل

اسی لئے شروع میں تحریک خلافت کی سرگرمیوں کا عملی و قانونی مرکز فرنگی محل ہی رہا، اور مولانا عبد الباری صاحبؒ اس کے روح رواں رہے، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہرؔ جن کی اصل شناخت بعد میں تحریک خلافت کے ذریعہ ہوئی یہ دونوں بھائی حضرت مولانا عبد الباری صاحب کے مرید تھے، اور آپ ہی کے دربار سے ان دونوں کو "مولانا" کا خطاب بھی ملا تھا[42] اور تحریک خلافت کی ذمہ داریاں بھی، قاضی عدیل عباسیؒ لکھتے ہیں:

۔۔۔۔حواشی۔۔۔

41 ۔تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "حیات ابو المحاسن"

42 ۔یہ اواخر جنوری ۱۹۲۰ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ) کی بات ہے جب ان دونوں بھائیوں کے لئے حضرت مولانا عبد الباری صاحبؒ نے اپنے مدرسہ عالیہ نظامیہ کی طرف سے باقاعدہ سند عالمیت جاری فرمائی، اس کا قصہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

> "جنوری کی آخری تاریخ میں مولانا محمد علی اور شوکت علی لکھنؤ آئے، اور ان کا پرجوش استقبال کیا گیا، تمام راستوں کو جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا، اور کثیر مجمع نے ان کی گاڑی سے گھوڑے کھول کر خود گاڑی کو کھینچا، وہ حسب معمول مولانا کی قیامگاہ محلسرا میں فروکش ہوئے، وہاں مدرسہ عالیہ نظامیہ کی جانب سے "مولانا" کی سندیں علی برادران کو دی گئیں، اور طلبائے مدرسہ کی جانب سے اڈریس دیا گیا، شب کو پر تکلف دعوت کی گئی، جس کے کارڈ پہلے سے جناب قطب میاں صاحب کے نام سے معززین شہر کو تقسیم ہو چکے تھے" (حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق (سوانح حیات مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلیؒ ص ۲۷ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ برادر خورد مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: اشاعت العلوم برقی پریس فرنگی محل لکھنؤ، سن تصنیف: جون ۱۹۲۴ء)۔

"خلافت ترکی کے معاملہ میں فرنگی محل قانون کے اندر جدوجہد کا مرکز تھا، مولاناؒ کی فراست نے بادلوں کے محیط ہونے سے پہلے بارش کا اندازہ کر لیا تھا، اور خدام کعبہ کی بنیاد رکھی تھی، جس میں خود مولانا خادم الخدام تھے خدام کعبہ نے ملت اسلامیہ ہندیہ کے ہر فرد میں ایک ولولۂ تازہ اور خلافت اسلامیہ اور اماکن مقدسہ سے ایک عظیم محبت وعقیدت کا جذبہ پیدا کر دیا، گویا کہ یہ حرکت وعمل کے لئے نقش اول تھا۔ بعدہ تحریک خلافت کے زمانہ میں فرنگی محل مرکز رہا مولانا محمد علی مولانا عبد الباری کے مرید تھے، اور وہیں سے ان کو اور شوکت علی کو "مولانا" کا اعزازی خطاب عطا ہوا تھا، چنانچہ وہ واقعی مولانا ہو گئے، ہر وقت اور ہر پبلک جگہ اور جلسے میں عبا پہنے رہتے تھے، نہایت گھنی ڈاڑھی تھی اور چہرہ پر نور،۔۔۔جب تک مولانا محمد علی نے اپنے بے مثال درد دل کے ماتحت اپنی صحت کو نظر انداز کر کے تحریک خلافت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر نہیں لے لیا، مولانا عبد الباری ہی کی ذات تھی جن کا نام نامی ہر جگہ آتا تھا۔۔۔۔ تحریک خلافت میں راست اقدام کا جو زبردست عمل پیش ہوا اس کی زمین مولانا عبد الباری کی تیار کی ہوئی تھی"[43]۔

بمبئی میں دفتر آل انڈیا خلافت کا قیام

کچھ دنوں بعد ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۰/ مارچ ۱۹۱۹ء کو اہل بمبئی کی خواہش پر خلافت کے مسئلہ پر رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے آل انڈیا خلافت کمیٹی کا دفتر بمبئی میں قائم کر دیا گیا، جس کے صدر سیٹھ چھوٹانی اور سیکریٹری حاجی صدیق کھتری منتخب ہوئے۔ بمبئی کے لوگوں نے اس کے اخراجات کی ذمہ داری قبول کی، ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی ضرور موجود تھے[44]۔

۔۔۔۔حواشی۔۔

43 - تحریک خلافت ص ۳۸،۳۷۔

44 - حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت شاہ محی الدین پھلواریؒ۔

خلافت کمیٹی کی پہلی شاخ گیامیں

حضرت مولانامحمد سجادؒ کے تمام تذکرہ نگاراس پر متفق ہیں کہ بمبئی میں خلافت کمیٹی کادفتر قائم ہونے کے بعد واپسی پر حضرت مولاناسجادؒ نے خلافت کمیٹی کی پہلی شاخ بہار کے مشہور شہر گیامیں قائم فرمائی، اس کے بعد پھلواری شریف پٹنہ میں دوسری شاخ قائم کی، لیکن تاریخ اورسن کی صراحت کسی نے نہیں کی ہے، البتہ بعض متأخر حضرات کے مضمون میں اپریل ۱۹۱۹ء (رجب ۱۳۳۷ھ) کاذکر آیاہے اور یہ بھی کہ اس موقعہ پر گیامیں ایک بڑااجلاس بھی منعقد کیاگیاتھا، جس میں خلافت کمیٹی کے مرکزی رہنما مولاناشوکت علی بھی شریک ہوئے تھے[45]۔

اگراس تاریخ کودرست مان لیاجائے تواس کامطلب یہ ہوگا کہ حضرت مولاناسجادؒ نے لکھنؤ کی آل انڈیامسلم کانفرنس (۱۸/ستمبر ۱۹۱۹ء مطابق ۲۱/ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ) سے بھی قبل گیااور پھلواری شریف میں خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کردی تھیں، اس سے مولاناؒ کی فکرمندی اوراس میدان میں آپ کی سابقیت کابھی اشارہ ملتاہے۔

بمبئی میں خلافت کمیٹی کادفتر قائم ہونے کے بعد ملک میں خلافت کے چھوٹے بڑے جلسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا. اوراس پلیٹ فارم سے مقامات مقدسہ اور خلافت اسلامیہ کے تحفظ کے مطالبات ہونے لگے۔۔۔۔

آل انڈیامسلم کانفرنس لکھنؤ

"اسی سلسلہ کاایک عظیم الشان جلسہ "آل انڈیامسلم کانفرنس" کے نام سے ۲۱/ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۸/ستمبر ۱۹۱۹ء کولکھنؤمیں طلب کیاگیا، جس میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہر طبقۂ خیال کے علماء وزعماء شریک ہوئے، مجمع بہت زیادہ تھا، کانفرنس کی مجلس داعیان میں بھی ملک کے ہر حصہ کونمائندگی دی گئی تھی، قاضی عدیل عباسی نے سینتیس (۳۷) افراد کے نام ذکر کئے ہیں، کانفرنس کے لئے جواشتہار شائع

۔۔۔۔حواشی۔۔۔۔

---

45 -مولاناابوالمحاسن سجاد—حیات وخدمات (مجموعۂ مضامین) ص ۲۵۰ (بحوالہ فریڈم مومنٹ ان بہارص ۲۹۹) مضمون مفتی محمد خالد نیموی قاسمی، مرتب کردہ: مولاناانیس الرحمن قاسمی، شائع کردہ امارت شرعیہ پٹنہ۔

کیا گیا تھا، اس کا عنوان بہت حساس تھا "مسلمانوں کی موت وحیات کا مسئلہ "۔۔۔

اس کانفرنس کے منتخب صدر جناب ابرہیم ہارون جعفر تھے[46]، لیکن ان کے پہونچنے میں تاخیر ہوئی ،اس لئے حضرت مولانا عبد الباری صاحبؒ کا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا جو اتفاق رائے سے منظور ہوا۔

بعد نماز ظہر مسٹر ابراہیم ہارون جعفر نے صدارت فرمائی ،اوراپنے خطبۂ صدارت کا ایک حصہ پڑھا، اور مطبوعہ خطبہ مجلس میں تقسیم کر دیا گیا۔

کانفرنس میں منظور شدہ تجاویز

کانفرنس کا پہلا ریزولیشن خلافت عظمٰی کے اقتدار کو بر قرار رکھنے کی بابت مولانا سید محمد فاخر الٰہ آبادی نے پیش کیا، اور مولانا سید حسن آرزو صاحب نے اس کی تائید کی۔

دوسرا ریزولیشن۔جس میں ترکی کے بڑے علاقوں عراق، عرب، فلسطین، شام، آرمینیا وغیرہ کو ترک سلطنت سے علٰحدہ کر کے غیر مسلم حکمراں طاقتوں کے ماتحت رکھنے پر اظہار ناپسندیدگی کیا گیا تھا اور جزیرۃ العرب کو غیر اسلامی اثرات سے پاک رکھنے پر زور دیا گیا تھا-مولانا ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر "اہل حدیث" نے پیش کیا، اور شیخ عبد اللہ وکیل علی گڑھ نے اس کی تائید کی۔۔۔

کل سات (۷) تجاویز منظور کی گئیں، جن میں سے ہر ایک کا تعلق خلافت ترکی سے تھا۔۔ چھٹی تجویز ۱۷/اکتوبر کا دن ترکی کے لئے یوم دعا منانے سے متعلق تھی، اور ساتویں تجویز میں بمبئی کی خلافت کمیٹی کے کام پر اظہار اطمینان کیا گیا تھا اور اس کی شاخیں صوبوں اور مختلف مقامات پر قائم کرنے کی ضرورت جتائی گئی تھی، آخر میں مولانا عبد الباری صاحب نے جناب صدر اور بیرونی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، اور جناب صدر نے چند اختتامی الفاظ میں اہل لکھنؤ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جلسہ کی کامیابی پر اظہار مسرت کیا، اور حصول مقصد کی دعا مانگی[47]۔

---- حواشی --

46 - مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب (جو اس کانفرنس میں شریک تھے) نے لکھا ہے کہ "کانفرنس کی صدارت آنریبل بھور گری" کو کرنی تھی (حیات سجاد ص ۹۲) جب کہ عدیل عباسی نے ابراہیم ہارون جعفر کا نام تحریر کیا ہے (تحریک خلافت ص ۹۴)

47 - تحریک خلافت ص ۹۴تا۹۸ بحوالہ اخبار مشرق گورکھپور زیر ادارت حکیم ابراہیم صاحب، مورخہ ۲۵، ۱۱ ستمبر ۱۹۱۹ء۔

حضرت مولانا سجادؒ کانفرنس کے اہم قائد

اس کانفرنس کے اہم قائدین میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ بھی تھے، مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب (پٹنہ) جو اس کانفرنس کے اہم شرکاء میں تھے، اور جنہوں نے خلافت عظمیٰ سے متعلق پہلی تجویز کی تائید میں تقریر کی تھی، مولانا سجاد صاحب سے ان کی پہلی ملاقات اسی کانفرنس میں ہوئی تھی اور وہ مولاناؒ کی شخصیت اور افکار عالیہ سے بے حد متأثر ہوئے، اس کے بعد ان کو مولاناؒ کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کے بھی کافی مواقع ملے، یہ تعلقات ان کے بقول تقریباً پچیس (۲۵) سال کے عرصہ پر محیط تھے، آرزو صاحب لکھتے ہیں:

> "خوش قسمتی سے مجھے لکھنؤ کے اس سفر میں مولانا سجاد مرحوم کی معیت کا شرف حاصل ہوا، میں نے پہلی ہی ملاقات میں اس دبلے پتلے نحیف وکمزور عالم دین سے مل کر یہ محسوس کیا کہ اس کے سینے کے اندر گوشت کا لوتھڑا نہیں، دہکتی آگ کا شعلہ ہے، اس کی نظر کی گہرائی، اس کے دماغ کی بلندی اور فہم وفراست، ارتقائے ملک کے لئے صاف اور سیدھا نظام عمل اپنے اندر مخفی رکھے ہوئے ہے، لکھنؤ کی وہ صحبت یقینی ایک تاریخی صحبت تھی، مخصوص مسلمانوں کا ایک بڑا مجمع تھا اور کم از کم میری زندگی کا ایک تاریخی دن تھا، مجلس مضامین کی مخصوص صحبت میں پتہ چلا کہ مولانا سجادؒ کی ذہنی کاوشیں کیا ہیں، اور سیاسی معلومات میں وہ کس درجہ ماہر ہیں[48]

خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس دہلی میں

۲۸/ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۳/ نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کا پہلا مرکزی اجلاس دہلی میں ہوا، جس کی صدارت مسٹر فضل الحق (بنگال) نے کی، مہاتما گاندھی بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے، "اس میں خلائق کا اتنا ہجوم تھا کہ چاندنی چوک اور جامع مسجد کی راہ دو گھنٹے میں طے ہوئی، اس اجلاس میں صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام شریک کئے گئے جو تمام صوبوں سے آئے تھے، کچھ ہندو معززین نے بھی شرکت

----حواشی---

48 -حیات سجاد ص ۹۱،۹۲-

کی، جن کو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، سندھ، رنگون، بنگال، بہار، صوبۂ متحدہ وغیرہ سے جو ہندو آئے تھے ان کو مسلمانوں نے خلافت کمیٹیوں کی طرف سے بھیجا تھا، شیعہ حضرات بھی اس میں شریک تھے"[49]

تجویز مقاطعہ

اجلاس میں باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی کہ مسلمان انگریز کے جشن فتح میں شریک نہیں ہوں گے اور اگر ان کے مطالبات منظور نہ ہوئے تو وہ حکومت سے عدم تعاون کریں گے، اس اجلاس میں ہندوؤں سے بھی تعاون کی اپیل کی گئی۔

اس میں حضرت مولانا سجاد بھی قائدانہ طور پر شریک تھے، اسی موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند کی بھی باقاعدہ تشکیل ہوئی جس کا پہلے سے ہی عزم کر کے مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ اور مولانا ابو المحاسن سجادؒ تشریف لائے تھے۔

خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس امرتسر میں

خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس امرتسر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس کے ساتھ ۵/ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء کو منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا شوکت علیؒ نے کی[50]، اجلاس میں حضرت مولانا عبد الباریؒ اور حضرت مولانا محمد سجادؒ نے بھی قائدانہ شرکت کی، مولانا محمد علی جوہرؒ اجلاس سے کچھ دنوں پہلے ہی رہا ہوئے تھے، وہ بھی شریک ہوئے اور اجلاس میں ایک طویل، جذباتی اور اثر انگیز تقریر فرمائی۔ بقول مولانا عبد الماجد دریابادیؒ:

> "مولانا محمد علی جوہرؒ کی شرکت گویا تمام مسلمانان ہند کی شرکت تھی، کیونکہ وہ اپنے علم و فضیلت، اسلام نوازی، جرأت و حق گوئی و بے باکی، عظیم ایثار و قربانی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمہ لیڈر بن چکے تھے، بیتول جیل سے رہائی کے بعد وہ جن

----حواشی---

49 - تحریک خلافت ص ۱۰۲۔

50 - علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷ مرتبہ مولانا مفتی محمد میاں صاحب۔

جن اسٹیشنوں سے گذرے وہاں ان کا عظیم الشان استقبال کیا گیا[51]۔

دہلی میں خلافت کانفرنس اور وفد خلافت کی تجویز

۲۷/ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۰/ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ایک بڑی خلافت کانفرنس ہوئی، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد (مولانا آزاد یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو جیل سے رہا ہوئے تھے)، لوکمانیہ تلک اور دیگر کانگریسی لیڈران بھی شریک ہوئے، اور خلافت کے مسئلہ پر سب نے اپنے اتفاق کا اظہار کیا، وائسرائے اور صلح کانفرنس لندن میں وفد بھیجنے کی تجویز منظور ہوئی، مولانا محمد علی نے وفد کا میموریل تیار کیا جس پر سر آوردہ لوگوں نے دستخط کئے، مولانا آزاد نے انڈیا ونس فریڈم میں لکھا ہے:

"وفد وائسرائے سے ملا، میں نے عرضداشت پر دستخط تو کر دیئے تھے مگر وفد کے ساتھ گیا نہیں، کیونکہ میرا خیال تھا کہ معاملات عرضداشتوں اور وفدوں کی حد سے آگے بڑھ چکے تھے"[52]

مولانا آزاد ہی کے بیان کے مطابق وائسرائے نے میموریل کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ "اگر مسلمانوں کا کوئی وفد حکومت برطانیہ کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ پیش کرنے کے لئے جانا چاہے، تو حکومت وفد کو لندن جانے کی ضروری سہولتیں فراہم کر دے گی، لیکن خود اس نے کچھ کرنے سے معذوری ظاہر کی"[53]

بہر حال مولانا محمد علی کی قیادت میں وفد لندن کے لئے روانہ ہوا، جس میں مولانا سید سلیمان ندوی ، سید حسین، ابوالقاسم، اور حسن محمد حیات شامل تھے، وفد نے لندن میں مسٹر فشر کے توسط سے مسٹر لائیڈ جارج سے ملاقات کی، مگر لاحاصل، مولانا محمد علی نے کچھ عوامی جلسے وہاں کئے، پھر یہ حضرات اکتوبر ۱۹۲۰ء

----حواشی--

[51] -تحریک خلافت ص ۱۰۲۔

[52] -انڈیا ونس فریڈم ص ۸۔

[53] -انڈیا ونس فریڈم ص ۹،۸۔

کے آغاز میں ہندوستان واپس لوٹ آئے[54]۔

کلکتہ میں خلافت کانفرنس

☆فروری ۱۹۲۰ء میں کلکتہ ٹاؤن ہال میں ایک خلافت کانفرنس ہوئی جس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کی، مولانا آزادؒ نے اس میں خلافت کے موضوع پر ایک مبسوط خطبہ دیا، جو کتابی شکل میں اسی وقت شائع ہوچکا تھا[55]۔

کراچی میں عظیم الشان خلافت کانفرنس

۱۵/ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹/ ستمبر ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت کانفرنس مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں ہوا، جس میں حسب معمول کافی جوش وخروش نظر آیا، اکابر علماء وزعماء اسلام کے علاوہ ہندو لیڈر اور عوام بھی کانفرنس میں شریک ہوئے، اسی اجلاس میں انگریزی فوج کی ملازمت کو از روئے اسلام حرام قرار دیا گیا، اور پھر حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدد اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو وغیرہ پر مشہور زمانہ مقدمۂ بغاوت چلا، مولانا محمد علی نے دوران مقدمہ جج سے زوردار لفظی مباحثہ کیا، حضرت مدنیؒ بھی اپنے بیان پر قائم رہے، کراچی کے مقدمہ میں تمام ہی ملزموں نے اقبال جرم کرلیا تھا، سب کو سزا ہوئی، لیکن مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی ہندوستان کے ہیرو ہوگئے، اسی زمانے میں یہ شعر کافی مشہور ہوا:

بولیں اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ تیرے ہیں شوکت علی بھی، جان بیٹا خلافت پہ دے دو

خواتین بھی تحریک میں شامل ہوگئی تھیں، مولانا محمد علیؒ کی والدہ اس میں پیش پیش تھیں، ان کو سارا ملک بی اماں کے نام سے یاد کرتا تھا[56]۔

----حواشی--

54 ۔ تحریک خلافت ص۱۱۹ تا ۱۲۲۔

55 ۔ تحریک خلافت ص۱۲۷۔

56 ۔ تحریک خلافت ص۱۸۳ تا ۱۹۴۔

ترک موالات

یا عدم اشتراک عمل یا نان کواپریشن

کا آغاز

مسلمانان ہند کی غیرت دینی و ملی اور برادران ہنود کی حمیت قومی و ملکی

کا امتحان

ہدایات

خلافت کمیٹی (جمعیۃ المرکزیۃ الہندیۃ للخلافۃ) کی جانب سے شائع شدہ ایک اشتہار جس میں تحفظ خلافت کے لئے یکم اگست ۱۹۲۰ء مطابق ۱۶ / ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو ملک گیر پرامن عام ہڑتال اور عدم تعاون کی اپیل کی گئی ہے، اس پر گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، حاجی صدیق کھتری، سیف الدین کچلو، فضل الحسن، مولانا حسرت موہانی قائدین تحریک خلافت کے نام درج ہیں۔

گیامیں عظیم الشان خلافت کانفرنس

حضرت مولاناسجاد صاحبؒ نے قاضی احمد حسین صاحب کی معاونت سے خلافت کمیٹی کی ایک شاخ گیاشہر میں قائم کی تھی، جو بہار کی پہلی خلافت کمیٹی تھی، مولاناعبد الحکیم اوگانویؒ کے الفاظ میں:

"انوارالعلوم کے بعد سب سے اہم اور نمایاں کام گیامیں خلافت کمیٹی کی تاسیس تھی ،جو صوبۂ بہار کی پہلی خلافت کمیٹی تھی، اور ہزاروں ہزار روپیہ ٹرکی کو بھجوایااور خوب چندہ ہوامجھے یاد ہے کہ غالباًیوم انقرہ کے سلسلہ میں ایک چھوٹے سے محلہ سے ڈیڑھ سوروپیہ وصول کر کے دفتر میں داخل کیاتھا"[57]

اس شاخ کی طرف سے حضرت مولاناسجادؒ نے گیامیں ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ / دسمبر ۱۹۲۲ء کو جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے جلسوں کے ساتھ عظیم الشان خلافت کانفرنس کاانعقاد فرمایا، جس کی صدارت حضرت مولاناحبیب الرحمن عثمانی (۱۴/ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۶/ دسمبر ۱۹۲۹ء) مہتمم دارالعلوم دیوبند (زمانۂ اہتمام: ۱۳۳۵ھ تا ۱۳۴۸ھ / ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۹ء) نے فرمائی، مولاناابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ[58] مجلس استقبالیہ کے صدر تھے ، گیاکانگریس کے اجلاس کے صدر مسٹر سی آرداس تھے، یہ جلسے

----حواشی---

[57] -محاسن سجاد ص ۲۰۔

[58] -مولاناحکیم ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ کی ولادت داناپور (پٹنہ) کے محلہ "شاہ ٹولی" میں ۱۸۵۶ھ (۱۲۷۲ء) میں ہوئی، مولانا کاآبائی مکان موضع داناپور گھوسہرہ ضلع پٹنہ ہے، ان کی ابتدائی تعلیم داناپور اور آرہ میں ہوئی، اور لکھنؤ اور حیدرآباد میں تکمیل کو پہونچی۔

آپ کاخاندان اپنے حسب ونسب اور علم وفضل کی بناپر ہمیشہ ممتاز رہا، آپ کے والد بزرگوار مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم بڑے صاحب علم تھے، ان کے شاگردوں کابڑاحلقہ تھا، مولاناحکیم عبدالرؤف صاحب بیسویں صدی کے اوائل میں کلکتہ چلے آئے اور تاعمر وہیں مقیم رہے، ان کاشمار ہندوستان کی خاک سے اٹھنے والے گنتی کے چند ممتاز علماء میں ہوتاہے، آپ کی عظمت کااعتراف مولانا ابوالکلام آزاد، مولاناسید سلیمان ندوی، مولاناحسین احمد مدنی، مولاناثناء اللہ امرتسری، مولاناعبدالماجد دریاآبادی، مولاناحفظ الرحمن سیوہاروی، مولاناعتیق الرحمن عثمانی اور دوسرے بے شمار اکابر علماء نے کیاہے، ۱۹۲۵ء-۱۹۲۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سالانہ جلسہ میں "اسلام اور مدنی مسائل" کے عنوان سے انہوں نے جو مقالہ پڑھاتھا، اس کے بارے میں ارباب علم وفضل کی متفقہ رائے تھی، کہ اب تک ایساپر مغز اور جامع مقالہ نہیں پڑھاگیاتھا، جناب ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ اس وقت جامعہ کے وائس چانسلر تھے، انہوں نے اس مقالہ کو کتابی صورت میں شائع کیا، مولاناابوالکلام آزاد نے اس مقالہ کو پڑھ کر مولاناداناپوریؒ کوایک خط میں تحریر فرمایاکہ " آپ کامقالہ

حضرت مولانا سجادؒ کی خوش ذوقی، فنکارانہ مہارت، اورانتظامی صلاحیت کی آئینہ دار تھی، علامہ مناظر احسن گیلانیؒ رقمطراز ہیں:

"اسی کا اعتراف نہیں، بلکہ اس کا بھی کہ سارے ہندوستان کا سب سے نمایاں اجلاس جمعیۃ علماء گیا کا اجلاس تھا، اور جمعیۃ علماء گیا کا اجلاس صرف ایک واحد شخصیت (حضرت مولانا سجادؒ) کی عملی قوتوں کا مظہر تھا"[59]

گیا کانفرنس کا منظر جمیل

ان پروگراموں کی چشم دید کیفیت حضرت مولانا محمد سجاد کے سیاسی ناقد علامہ راغب احسن صاحب ایم اے جنرل سیکریٹری کلکتہ مسلم لیگ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

"حضرت مولانا محمد سجاد کو پہلی دفعہ اور یہ آخری دفعہ بھی تھا، میں نے گیا کانگریس ۱۹۲۲ء کے موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند کے عظیم الشان پنڈال میں دیکھا تھا، گیا کانگریس

عوام سے زیادہ علماء کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا"، فن طب وحکمت اور دیگر موضوعات پر پچاس (۵۰) سے زائد کتابیں آپ کی شائع ہوچکی ہیں، غیر مطبوعہ بھی بہت زیادہ ہیں، ان میں اسب سے اہم ترین تصنیف "اصح السیر" (دو جلدیں) ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی اور دیگر علماء نیز سترہ (۱۷) رسالوں نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "اب تک اردو زبان میں سیرت طیبہ پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی" یہ ایک جامع اور صحیح ترین کتاب ہے۔

کلکتہ میں انجمن اطباء قائم ہوئی تو آپ اس کے صدر منتخب ہوئے، اور سالہاسال تک آپ اس کے صدر رہے، آپ ہی کی کوششوں سے حکومت بنگال نے انجمن اطباء کے بورڈ آف فیکلٹی کو تسلیم کرلیا تھا، آپ سرکاری ملازمت کے قائل نہ تھے، حکومت بہار نے طبیہ کالج کی تجویز منظور کی تو آپ کو پرنسپل کے عہدہ کی پیشکش کی گئی، لیکن آپ نے قبول نہیں کیا، اور پھر آپ ہی کی سفارش پر حکیم محمد ادریس صاحب ساکن موضع بہراواں اس عہدہ پر فائز ہوئے آپ انگریزی سامراج کے سخت خلاف تھے، ۱۹۱۶ء سے برابر جنگ آزادی کی کوششوں میں شریک رہے، اس کے لئے جیل بھی گئے، آپ کانگریس کے اہم رکن ہونے کے ساتھ کلکتہ خلافت کمیٹی کے برسوں صدر رہے، آپ نے گیا خلافت اور جمعیۃ کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ دیا تھا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، ہندوستان کے گوشے گوشے سے آپ کے پاس استفتا آیا کرتے تھے، اور آپ نہایت تحقیق کے ساتھ ان کے جوابات دیتے تھے، آپ کی بصارت آخر عمر تک پوری طرح برقرار رہی، ۱۹۴۸ء میں ۲۰ اور ۲۱ فروری کی درمیانی شب بارہ بجے کلکتہ میں وفات پائی، مانک تلہ پشاوری گورستان میں مدفون ہیں (تاریخ اطباء بہار ج ا ص ۲۷ تا ۷۷ مولفہ: حکیم محمد اسرار الحق، ۱۹۸۰ء)

[59] - محاسن سجاد ص ۵۵ ارتسامات گیلانیہ۔

کااجلاس زیر صدارت مسٹر سی آرداس ہورہاتھا،سوراج پارٹی کی بنیاد پنڈت موتی لال نہروداس اور حکیم اجمل خان مل کرڈال رہے تھے، گیامیں اس موقعہ پر آل انڈیاخلافت کانفرنس اور جمعیۃ علماء ہند کی سالانہ کانفرنسیں بھی ہورہی تھیں، دسمبر کا مہینہ تھا، کڑاکے کاجاڑاپڑرہاتھا، کانگریس، خلافت اور جمعیۃ کے پنڈال دریائے پھلگو کے کنارے شہر سے باہر ریت کے ٹیلوں اور خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں قائم تھے، کانگریس اس وقت بھی سرمایہ دار ہنود کی مجلس تھی، اس کاپنڈال ہندو طرز تعمیر کانمونہ تھا، صدر گیٹ، دروازے، اوراس کے ستون بدھسٹ طرز تعمیر کے مطابق بنائے گئے تھے، اس کاظاہر وباطن کاملاً ہندوانہ تھا، اس کی تعمیر پر ہزاروں ہزارروپیہ خرچ کیاگیاتھا۔

اس کے بالکل برعکس جمعیۃ علماء ہند کاپنڈال اسلامی سادگی، نفاست، اور جدت، اور انڈوساراسینک (Indo Sara Cenic) عربی ہندی طرز تعمیر کی رعنائیوں کاآئینہ دار تھا، اس کے عالیشان صدر پھاٹک اور داخل وخارج ہونے کے دروازوں پر عربی حروف میں معنیٰ خیز آیات قرآنی درج تھے، مسلمانوں کے علاوہ ہزاروں لاکھوں ہندوروزانہ جمعیۃ علماء کے پنڈال کو آکر دیکھتے اور تعریف کرتے تھے، جو کلمہ سب کی زبانوں پر عام تھاوہ یہ تھا کہ باوجود سادہ اور کم خرچ ہونے کے جمعیۃ کاپنڈال کانگریس کے پنڈال سے ہزاردرجہ زیادہ آرام دہ، زیادہ روشن وفراخ، زیادہ حسین وجمیل ، اورزیادہ عالیشان، زیادہ پرشکوہ تھا، اور یہ سب کچھ مولاناسجاد کی اعلیٰ تعمیری صلاحیت کانتیجہ تھا، مجھے معلوم تھا کہ مولانانے یہ ساراانتظام انتہائی بے سروسامانی، بے مائیگی، اور پریشانی کے عالم میں اور قلیل ترین وقت یعنی صرف چند دنوں کے اندر کیاتھا، گیا کی جمعیۃ علماء کانفرنس اور خلافت کانفرنس کی اصل روح رواں، دماغ، مدبر، اور مرکزی شخصیت مولاناسجاد کی ذات تھی، مولاناسجادنے محض چند گنے ہوئے دنوں کے اندر جمعیۃ علماء اور خلافت کانگریس کے متعلق جملہ انتظامات باوجود غربت و

افلاس اور بے سروسامانی کے اتنے اعلیٰ پیمانہ اور بہترین بلکہ نادرترین انداز پر کیا تھا، کہ ہندو مسلم اکابر کی نگاہیں بے اختیار مولانا پر مرکوز ہو رہی تھیں اور سب کی زبانیں اس حقیقت کے اعتراف میں ہم آواز تھیں کہ:

"گیا کانگریس نے ملک کی ایک نادر اور حیرت انگیز تنظیمی طاقت کا انکشاف کیا ہے،

مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری داناپوری جمعیۃ علماء ہند کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، آپ نے مولانا سجادؒ کی انتظامی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے کھلے اجلاس میں فرمایا تھا کہ:

"مولانا سجاد نے مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیمی اور سیاسی کاروائی کا جو ثبوت دیا ہے، وہ اس درجہ بلند ہے کہ سوراج ملنے کے بعد مولانا کو ہندوستان کا گورنر اور گورنر جنرل بنانا موزوں ہو گا، کیونکہ وہ ایک نئے ہندوستان کے نئے خیالات واصول کے مطابق تعمیر کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں"

حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند صدر اجلاس نے جو خود بھی بڑے منتظم بزرگ تھے اس خراج تحسین کی تائید فرمائی تھی۔

اسی اجلاس گیا کے موقعہ پر مجھے مولانا مرحوم کی تقریر سننے کا پہلا موقعہ ملا تھا، اور یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ صاحب بیان نہیں بلکہ صاحب عمل بزرگ ہیں۔ مولانا سجادؒ نہ صرف ایک بڑی تنظیمی صلاحیت رکھنے والے بزرگ تھے، بلکہ جدید (Qriginal) خیالات وافکار رکھنے والے ایک معمار اور خلاق بھی تھے، وہ صرف منتظم اور مدبر نہیں تھے، بلکہ مفکر، مجتہد اور آرٹسٹ بھی تھے، اور کوئی اول درجہ کا معمار اور آرٹسٹ نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ اعلیٰ درجہ کی قوت تخییل اور اعلیٰ درجے کی قوت تخلیق نہ رکھتا ہو، اور گیا کے ملی مجالس اور اس کے متعلقہ انتظامات ان کی اعلیٰ قوت تخییل اور اعلیٰ تخلیق کے مخلوقات فکر و عمل تھے، مولانا کی شخصیت میں بیک وقت اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیت اور عملی طاقت کے ساتھ نئے نئے خیالات و

تعمیرات کے عدم سے وجود میں لانے کی تخلیقی قوت بھی جمع تھی، وہ نہ صرف حسب موقع نئے خیالات کو قبول کر سکتے تھے، بلکہ نئے خیالات کی آفرینش کی بھی قوت رکھتے تھے، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ اپنے نئے خیالات کے مطابق ایک نئی دنیا کی تعمیر بھی کر سکتے تھے۔ اجلاس گیا کے موقعہ پر ہر چیز اور ہر انتظام پر مولانا سجاد کی تخلیقی شخصیت اور اجتہادی آرٹ کا چھاپ صاف نمایاں تھا"[60]

احیاء خلافت کی آخری کوششیں

حضرت مولانا سجادؒ کے ان پروگراموں نے پورے ملک بالخصوص بہار میں انقلاب کی لہر دوڑادی، مسلمانوں نے خلافت اسلامیہ کے تحفظ وبقاکے لئے تن من دھن کی بازی لگادی، اور قربانی وسرفروشی کی ایک نئی تاریخ رقم کی، لیکن ہوا وہی جو اللہ پاک کو منظور تھا، ترک ناداں نے خود ہی پسپا ہوکر دشمنوں سے مصالحت کرلی، اور صدیوں کی بنائی ہوئی تاریخی سلطنت اور روحانی منصب کو بیک جنبش قلم منسوخ کردیا، ۲۵/رجب المرجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۳/مارچ ۱۹۲۴ء کو تنسیخ خلافت کے عظیم سانحہ کے بعد بھی ہمارے علماء اور قائدین نے خلافت اسلامیہ کے امکانات کے لئے کئی عملی کوششیں کیں، پہلے تو یہ کوشش کی گئی کہ خود مصطفےٰ کمال اس منصب خلافت کے لئے آمادہ ہوجائے، اور خلافت کی جاری روایات واصول کو دوبارہ قائم کرے، لیکن جب اس سے مایوسی ہوگئی تو ۱۹۲۴ء میں شاہ عبد العزیز نے حجاز مقدس میں شریف حسین کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کیا تھا، اور ان سے مسلمانوں کو بڑی امیدیں قائم تھیں کہ وہ حجاز مقدس میں منصب خلافت کے قیام میں امت مسلمہ کی مدد کریں گے، اس لئے کہ مہم کے آغاز میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ ان کو حکومت کی خواہش نہیں ہے، شریف حسین کے نکل جانے کے بعد مسلمان جس کو چاہیں امیر منتخب کرلیں، ۲۴/اکتوبر ۱۹۲۴ء (۲۵/ربیع الاول ۱۳۴۳ھ) کو خلافت کمیٹی کی تجویز کا جواب ملک عبد العزیز نے یہ دیا تھا کہ آخری فیصلہ دنیائے اسلام کے ہاتھ میں ہوگا، جمعیۃ وخلافت نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی قیادت میں باقاعدہ ایک وفد بھی حجاز مقدس روانہ کیا جس کے اراکین میں مولانا عبد الماجد بدایونی اور مولانا عبد القادر

----حواشی----

60 ۔ محاسن سجاد ص ۱۰۲ تا ۱۰۵۔

قصوری بھی تھے، لیکن یہاں بھی مایوسی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا،۱۹۲۵ء میں جیسے ہی مکمل حجاز فتح ہوا، ۱۰/ جنوری ۱۹۲۶ء(۲۵/ جمادی الثانیۃ ۱۳۴۴ھ) کو جناب عبد العزیز نے اپنے ملک النجد والحجاز ہونے کا اعلان کر دیا، اور خلافت اسلامیہ کی آخری امید بھی جاتی رہی، اناللہ وانا الیہ راجعون[61]۔

الغائے خلافت کے جھوٹے اعذار

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ خلافت کے خاتمہ پر بے حد رنجیدہ تھے، ایک پل کے لئے بھی امت کا بغیر خلیفہ رہنا ان کو گوارا نہ تھا، بعض لوگ مصطفیٰ کمال اور ان کے ہم خیال ترکوں کی طرف سے عذر پیش کرتے تھے اور تاویلات کرتے تھے، مولانا سجاد صاحبؒ کے نزدیک یہ سب تاویلات باردہ تھیں، اور ان کی بنا پر مسلمانان ترک یا مسلمانان عالم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوسکتے تھے، قیام خلافت مسلمانوں کی عالمی اجتماعی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری سے گریز کی کوئی تاویل حضرت مولانا محمد سجادؒ کے نزدیک قابل قبول نہیں تھی، انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت مراد آباد میں سب سے پہلے اسی مسئلہ پر گفتگو کی ہے، اور جس تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے اس سے مولانا کی غیرت ایمانی، فکری بلندی، وسعت مطالعہ، قوت مشاہدہ، حالات سے باخبری اور گہری حساسیت کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے انسانی سوچ کی کمزوریوں، بے عملی کے حیلے بہانوں اور مغربی تہذیب کی فکری غلامی میں تراشے گئے نظریات پر جس طرح نشتر چلائے ہیں کہ احساس کا حامل شخص تڑپ تڑپ اٹھے گا، تقریباً بیس (۲۰) صفحات میں یہ بحث پھیلی ہوئی ہے، ساور اپنے موضوع پر

----حواشی---

61 -تحریک خلافت ص ۲۵۸ تا ۲۶۶۔ مسلسل ناکامیوں سے خلافت کمیٹی کے وقار واعتبار کو بھی کافی صدمہ پہونچا، خود کمیٹی انتشار سے محفوظ نہ رہ سکی، حجاز میں آثر ومقابر کے ساتھ ملک النجد کی بدسلوکیوں کو لے کر خود ارکان کمیٹی دو حصوں میں منقسم ہوگئے، ایک جماعت غدار شریف حسین کی پرزور طرفدار تھی، ان میں بریلوی اور خانقاہوں کے سجادہ نشیں پیش پیش تھے، اس میں حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی جیسی باوزن شخصیت بھی شامل تھی، جن کا پورے ہندوستان پر اثر تھا، ان کے ساتھ مولانا حسرت موہانی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا نثار احمد کانپوری وغیرہ بھی تھے، دوسری طرف مولانا محمد علی، ظفر الملک چودھری خلیق الزماں وغیرہ تھے، دونوں کا مرکز لکھنؤ تھا، مولانا عبد الباری صاحب کے ایماء پر انجمن خدام الحرمین قائم ہوئی، اس انجمن میں شیخ مشیر حسین قدوائی اور سید جالب دہلوی بھی شریک تھے، ارباب فرنگی محل تو تھے ہی، ان لوگوں نے ایک عظیم الشان جلسہ رفاہ عام میں کیا، اور دل کھول کر سلطان بن عبد العزیز کو برا بھلا کہا، اور جب اس کے بعد مولانا محمد علی نے وہاں جلسہ کرنا چاہا تو وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ اس بحث وتکرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبۂ اودھ میں دو خلافت کمیٹیاں قائم ہوگئیں۔۔ اور پھر زوال (تحریک خلافت، عباسی ص ۲۶۱، ۲۶۲)

سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے[62]۔فرحمہ اللہ۔۔۔۔

درست کہا کہنے والے نے:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

سادگی اپنوں کی دیکھ دشمن کی عیاری بھی دیکھ

لیکن وہ ناامید نہ تھے، اسی ناکامی کے لہو سے بہار میں امارت شرعیہ کا ایک چراغ انہوں نے جلایا تھا ،جس میں گرمی اور جان تحریک خلافت کے خاکستر سے لی گئی تھی۔

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

۔۔۔۔حواشی۔۔۔

62 ۔تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں خطبۂ صدارت اجلاس مرادآباد حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد ص ۲۳ تا ۴۰۔